سیاحِ لامکاں

مؤلفہ

شمسِ شریعتِ محمدیہ۔ ماہِ طریقتِ سہروردیہ

حضرت مولینا الحاج سیّد ابوالفیض قلندر علی سہروردی رح

بسعی و اہتمام

حضرت ابو نصیر محمد نذیر غوری سہروردی

سیاحِ لامکاں

— تالیف —

شمسِ شریعتِ محمدیہ ماہتابِ طریقتِ سہروردیہ

شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی

۱۳۱۴ھ —— ۱۳۷۷ھ

ادارہ سہروردیہ فی مخزن علوم اسلامی

مکان نمبر ۳۵ غوثیہ سٹریٹ، جہانگیر پارک، نیو شاد باغ لاہور۔

نام کتاب : سیاح لامکاں

مصنف : حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی

طابع : محمد نذیر غوری سہروردی

ناشر : ادارہ سہروردیہ فی مخزن علوم اسلامیہ

مطبوعہ : النور پرنٹرز اینڈ پبلشرز لاہور

تعداد : ۱ ہزار

اشاعت : چہارم

سعی واہتمام : سہروردیہ فاؤنڈیشن۔ لاہور

مہرو ماہ : رجب المظفر ۱۴۱۶ھ ر دسمبر ۱۹۹۴ء

90/-

ملنے کا پتہ

محمد نذیر غوری سہروردی

مکان نمبر ۳۵ غوثیہ سٹریٹ' جہانگیر پارک نیو شادباغ لاہور

سید اویس علی سہروردی

سہروردیہ فاؤنڈیشن : ۳۵ رائل پارک لاہور

فہرست

تذکرہ ابواب	صفحہ نمبر
سخنان چند از حضرت ابونصیر محمد نذیر غوری سہروردی	•
صاحب تصنیف از سید اویس علی سہروردی	•
تہدیہ	•
دیباچہ	•
جنون تحقیق	۱
سائنس اور معجزہ	۷
معجزات اور اسکی حقیقت	۱۴
معجزات سید انس وجان	۱۹
ترجمہ آیت معراج شریف	۳۱
لیلتہ الاسراء میں مقام روانگی ور انتخاب سواری	۳۶
تاریخ کعبہ و مکہ مکرمہ	۴۷
شاہسوار عرب مسجد حرام سے مسجد اقصی تک	۵۹
تاریخ بیت المقدس یا مسجد اقصی	۶۷
عروج الی السماء یا سیر افلاک	۸۴

لقائے حبیب	۹۳
لیلۃ المعراج کے انعامات اور حقیقت صلوات	۱۰۰
سیر جنت	۱۱۱
معائنہ جہنم	۱۲۱
آنحضرت ﷺ کے والدین کا ناجی ہونا	۱۳۲
مسئلہ معراج اور معترضین	۱۴۴
حکایات نادرہ	۱۸۳
نور مجسم ﷺ کا بے مثل الصفات ہونا	۱۹۷

سخنان چند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات واحد کو جو حی و قیوم ہے جو ظاہر و باطن کا جاننے والا اور علیم و خبیر ہے۔ ہمارے اعداد و شمار سے زیادہ درود و سلام ہو ہمارے سردار' رحمت العالمین' ختم المرسلین رسول عربی حضرت سیدنا ابن عبداللہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر' آپ کے اہل بیت اور اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر۔

اما بعد فقیر تقریباً" ساٹھ سال بیشتر شہباز ولایت' شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہ (م ۱۳۷۸ھ ر ۱۹۵۸ء) کے حلقہ بگوش ارادت ہوا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب اقلیم فقر پر آپ کے شیخ آفتاب ولایت' قطب عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہ العزیز (م ۱۳۷۱ھ ر ۱۹۵۱ء) جلوہ افروز تھے۔ میری خوش بختی کہ میں نے آپ دونوں کی صحبت و محبت اٹھائی۔ آج بھی میں جب ماضی کے دریچے کھولتا ہوں تو وہی محافل' وہی ارشادات میرے سامنے شہود بن جاتے ہیں۔ میں اپنے تیئں پوری کوشش کرتا رہتا ہوں کہ آپ کا علمی ورثہ منظر عام پر لاتا رہوں۔ چنانچہ اسی سلسلے میں میں کتب کی اشاعت کرواتا رہا ہوں۔

سیاح لامکان: یہ کتاب اب تک کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ یہ پہلے دو بار حضرت قبلہ و کعبہ (رح) کی حیات فانی میں شائع ہوئی تقریباً" ۲۵ سال بعد فقیر نے اسے تیسری بار شائع کیا۔ موجودہ اشاعت اس کی چوتھی اشاعت ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی فقیر نے ۱۹۸۷ء میں شائع کروایا تھا جسے برادر عزیز انور حسین مرحوم نے بڑی محبت سے انگریزی زبان کے قالب میں ڈھالا تھا۔

آخر میں فقیر ان تمام دوستوں کا شکر گزار ہے جنہوں نے اس کی اشاعت میں حصہ لیا اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر دونوں جہانوں میں دے۔

فقیر محمد نذیر غوری سہروردی

صاحب تصنیف

از: سید اویس علی سہروردی

قدوۃ المحققین، عالم اجل و عارف بے مثل ہمارے امام و قبلہ حضرت سید ابو الفیض قلندر علی سہروردی قدس اللہ سرہ، ۱۸۹۵ء میں کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد حضرت سید رسول بخش حافظ قرآن تھے آپ کا خاندان اپنے وقت میں بڑا علمی مذہبی اور روحانی مشہور تھا۔ پیدائش سے پہلے ہی آپ کے نانا جان کو ایک بزرگ حضرت سائیں سکندر علی شاہ صاحب نے بتایا کہ آپ کے ہاں ایک نواسہ پیدا ہو گا۔ جو اپنے زمانے کا قلندر ہوگا۔ اس کا نام قلندر علی رکھنا۔ چنانچہ آپ کی پیدائش پر آپ کا اسم گرامی سید قلندر علی رکھا گیا۔

آپ کا سلسلہ نسب ۲۳ واسطوں سے قطب ربانی، غوث صمدانی حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ سے ملتا ہے۔ اور سلسلہ نسبت ۱۹ (انیس) واسطوں سے عارف ربانی، حجت الفقر فخری، شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔

آپ کا قد مبارک میانہ قدوں سے نکلتا ہوا۔ چہرہ اقدس سرخ و سپید اور ریش مبارک سے رونق افروز تھا۔ نور ہی نور رخ اقدس پر چمکتا ہوا دکھائی دیتا تھا اور رخ انور پر نظر نہ ٹھرتی۔ جسد مبارک نہایت متناسب اور جاذب نظر، ہونٹ شریف باریک پتلے۔ آپ کی مسکراہٹ ہی پریشان دلوں کو اطمینان اور سکون بخشتی۔ پیشانی کشادہ اور چاند ایسی چمک ریش مبارک کا قدرتی خط بنا ہو۔ ہمارے ایک دوست نے ایک بار آپ سے دریافت فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے لب مبارک پر بال کتنے لمبے تھے تو آپ نے اپنے تراشیدہ بالوں کی طرف اشارہ فرما کر پوچھنے والے کی تسلی فرما دی۔ چشم ہائے خوب سیاہ سرگیں اور مد بھریں۔ نہ حد سے زیادہ بڑی اور نہ چھوٹی۔ آپ محفل میں تشریف رکھے ہوتے تو آسانی سے پہچانے جاتے۔ آنجناب کسی خاص وضع کے لباس پر مدار نہ فرماتے جو بھی زیب تن فرماتے خوب

بھلا معلوم ہوتا۔ مگر زیادہ تر سفید عمامہ کے ساتھ سفید شلوار قمیض زیب تن رکھتے۔ حسب ضرورت شیروانی بھی استعمال فرماتے۔

آپ کی عمر شریف جب چار برس کی ہوئی تو ابتدائی تعلیم شروع ہوئی۔ ابھی آٹھ برس کے سن میں پہنچے تو آپ کے والد گرامی حضرت سید رسول بخش (رح) کا وصال ہو گیا۔ مگر آپ نے انتہائی نامساعد حالات میں تعلیم جاری رکھی۔ یہ سلسلہ مڈل پر ختم ہو گیا۔ حضور کا بچپن ہی سے دینی تعلیم کی طرف رجحان تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں مدرسہ نعمانیہ لاہور جو اس زمانے میں خطہ پنجاب کا سب سے بڑا دینی مدرسہ تھا وہاں داخلہ لیا اور تعلیم مکمل فرمائی۔ علم کی تشنگی بجھانے کے لئے آپ نے ہجرت فرمائی اور امام اہل سنت مجدد وقت عالم ربانی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس اللہ سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں آپ اڑھائی برس رہے اور فارغ التحصیل ہو کر واپس وطن مالوف پہنچے۔

جب آپ بریلی میں قیام پذیر تھے تو آپ کے دل میں شیخ طریقت ڈھونڈنے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ اس سلسلے میں آپ کافی بزرگوں سے ملے مگر سب نے آپ کو سلسلہ سہروردیہ میں بیعت اختیار کرنے کے لئے کہا۔ اسی تلاش میں آپ کو معلوم ہوا کہ جلال پور جٹاں روڈ (ضلع گجرات) پر ایک چھوٹا سا قصبہ حیات گڑھ ہے وہاں ایک نہایت جلیل القدر درویش قیام پذیر ہیں۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور سلطان العارفین' قطب عالم' خواجہ خواجگان سہروردیہ عالم اکمل و اجمل حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس اللہ سرہ کے سلسلہ ارادت میں داخل ہو گئے۔

کچھ عرصہ ریاضت مجاہدہ کرنے کے بعد بحکم شیخ و مربی آپ لاہور تشریف لائے اور اپنے ایک پیر بھائی جناب حکیم عبدالعزیز صاحب محلہ اویاں قلعہ گوجر سنگھ (قلعہ شاہ فیصل) کے پاس قیام فرمایا۔ اس زمانے میں آپ اکثر گوشہ نشین رہا کرتے اور اعمال و اشغال سے جو وقت بچ جاتا اس میں آپ لاہور کے مختلف مزارات پر اکتساب فیض کے لئے تشریف لے جاتے۔

کچھ عرصہ بعد آپ نے خطابت شروع فرمائی حضرت شاہ ابو المعالی قادری کے

روضہ اقدس سے متصل جامع مسجد میں جلوہ افروز ممبر ہوئے۔ چند دنوں میں ہی آپ کا خطبہ سننے کے لئے لوگوں کے ٹھٹھ کر ٹھٹھ لگنے شروع ہو گئے۔ آپ کے واعظ حسنہ سننے سے کئی گم کردہ راہ' راہ مستقیم پر گامزن ہوئے۔ وہیں آپ کو حضرت شیخ شاہ ابو المعالی کی بارگاہ اقدس سے قلندر رسول نما کا خطاب ملا۔

آپ نے اپنی حیات طیبہ کے باقی ایام قلعہ گجر سنگھ کے محلہ اویاں میں ہی گزارے۔ اور سلسلہ سہروردیہ کو پھر سے بام عروج پر پہنچا دیا۔ جو گزشتہ صدی سے کچھ خاموش ہی چل رہا تھا۔ آپ نے اس سلسلہ کی ترویج و تجدید میں اتنا اہم کردار ادا فرمایا ہے کہ آئندہ جو احباب بھی سلسلہ سہروردیہ سے منسلک ہوں گے وہ آپ کی محنت شاقہ کے مرہون منت رہیں گے۔ آپ نے جہاں اپنے روحانی تصرف اور واعظ و پند سے بھولے بھٹکوں کو راہ راست پر لگایا۔ وہاں آپ نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔

جن میں مندرجہ ذیل کتابیں تو بہت ہی مشہور ہوئیں۔

الفقر فخری۔ جمال الٰہی ۔ جمال رسول ۔ سیاح لامکاں ۔ صحیفہ غوثیہ ۔ موعظتہ المستفین وغیرہ

آنحضرت کی وفات حسرت آیام میں پہلے آپ کو بخار ہوا مگر اتر گیا۔ بعد میں بہت کمزوری ہو گئی اور آپ ۴۳ برس کی عمر میں آخر چہار شنبہ ۲۷ صفر المظفر بمطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۵۸ء کو واصل حق ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق فرمائے۔ اللہ ہی کے لئے اول و آخر حمد ہے جو کہ رب العالمین ہے۔

اللہ ولی و غنی کی رحمت کا محتاج

سید اویس علی سہروردی

تحدیہ

اُس عقیدت کے لحاظ سے جو ہر مسلمان کو حضور پُر نور افضل المرسلین خاتم النبیین، محبوبِ رب العالمین۔ تاجدارِ دوجہان، ستیارح لامکان، نبی الانبیاء۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے۔ فقیر اس ناچیز تالیف کو آپ کی بارگاہِ رسالت میں پیش کرتا ہے کہ بارگاہِ معبودِ حقیقی میں باجدِ اطہر صرف حضور ہی کو یہ شرفِ عروج ملا۔ اور حضور ہی نے کما حقہٗ تمام بنی نوعِ انسان کو درسِ توحید دیا۔

ابوالفیض قلندر علی سہروردی

دیباچہ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
بروں آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

تعلیمِ جدید نے ہندوستان کی ہر چیز پر اپنا اثر ڈالا ہے اور یہاں کی ہر قوم و ملت نے اس سے کچھ نہ کچھ اثر قبول کیا ہے۔ اس تعلیم کی بدولت جہاں ہم میں روشن خیالی آئی ہے تحقیق و تدقیق کا جذبہ پیدا ہوا ہے۔ یورپ کے نئے نئے علوم و فنون کے مطالعہ کا شوق دامنگیر ہوا ہے۔ وہاں ہمارے پُرانے اعتقادات میں بھی ایک ہلچل سی مچ گئی ہے۔ اور مذہبی معتقدات میں شکوک و شبہات اور ظن و اوہام پیدا ہو گئے ہیں مسلمانوں پر اس تعلیم کا نمایاں اثر نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۸۵۷ء کے بعد موجودہ نظامِ تعلیم کو کامیاب بنانے کیلئے مختلف ذرائع اختیار کئے گئے اور ہر مذہب و ملت کے پیروؤں کو اسطرف کھینچا گیا تو مسلمانوں نے اس تعلیم کی سخت مخالفت کی۔ اور علمار کرام نے اس مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آج اس تعلیم کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ حامی اور مخالف سب یکساں طور پر یہ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ نظامِ تعلیم سخت ناقص نقصان دہ اور مضرت رساں ہے۔ اسے فی الفور بدل دینا چاہیئے۔ اس کی بدولت دہریت کا سیلاب اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ دل مسخ ہو رہے ہیں اور وہ روحانیت جس پر مشرق ہمیشہ ناز کرتا تھا رفتہ رفتہ مٹ رہی ہے۔ مذہب کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا جا رہا ہے مذہب کو تمام برائیوں کا سرچشمہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ ملک کے گوشے گوشے سے "مذہب مردہ باد" کے

نعرے لگ رہے ہیں۔ اور وہ دن دُور نہیں جب مذہب کی ہندوستان کے اندر وہی درگت بنے گی جو روس میں بالشویکوں کے ہاتھوں بن چکی ہے۔

یہ اسی تعلیم کا اثر ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہوگئی ہے جو ہر چیز کو یورپ کی عینک لگا کر دیکھتی ہے۔ اور معجزات کی منکر ہو کر اُنکی مختلف تاویلیں کر رہی ہے۔ چنانچہ اس دَور میں قرآنِ کریم کی جس قدر تفسیریں لکھی جا رہی ہیں۔ اُن میں اکثر اسی رنگ کی حامل ہوتی ہیں۔

تاویل پسند لوگوں نے سب سے بڑھ کر مسئلۂ معراج کی طرف توجہ میذول کی ہے۔ معراج شریف کا واقعہ سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اور اس پر گذشتہ ایک ہزار برس میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مسلمانوں کی کوئی زبان اس کے ذکر سے خالی نہیں۔ حتیٰ کہ پنجابی جیسی بے مایہ زبان میں بھی متعدد معراج نامے موجود ہیں۔ جنکے ایک ایک لفظ سے حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت ٹپکتی ہے۔

سب سے پُرلطف بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی بعض غیر اقوام اُدبا اور شعراء نے بھی معراج شریف کے متعلق اپنی استعداد اور سمجھ کے مطابق طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے بیانات سے بھی اسی عقیدت مندی کی جھلک نظر آتی ہے۔ جو ایک مسلمان شاعر اور ادیب کے بیان میں ملتی ہے۔ پرانی کتابوں میں سے اکثر تو امتدادِ زمانہ سے تلف ہو چکی ہیں بعض گمنامی کے گوشوں میں پڑی سڑ رہی ہیں۔ بعض میں علمی اصطلاحات کی اتنی بھرمار ہے کہ اُنکا سمجھنا ایک عام قابلیت کے آدمی کیلئے سخت مشکل ہے۔ اسلئے آج ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ اس واقعہ پر از سر نو قلم اٹھایا جائے اور شگفتہ و دلچسپ پیرایہ میں اس پر روشنی ڈالی جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ پنجاب کے کئی صاحبِ بصیرت اور روشن دماغ حضرات نے اِس طرف قدم اٹھایا۔ اور نہایت

دلچسپ پیرایہ میں اس واقعہ پر روشنی ڈالی۔ ان میں خانصاحب ذکا رالدین مرحوم سشن جج، خان بہادر حاجی رحیم بخش ریٹائرڈ سشن جج اور خانصاحب چوہدری محمد حسین ایم۔ اے سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ کے مقالات خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔ حال ہی میں لاہور کے ایک مشہور صاحب دل بزرگ مولانا حاجی مولوی صوفی ابو الفیض قلندر علی سُہروردی نے ایک بسوط کتاب "سیّاحِ لامکاں" کے نام سے تدوین کی ہے۔ صوفی صاحب نہایت نیک دل بزرگ، اور عالمِ باعمل ہیں۔ آپ کا تقویٰ زہد۔ ریاضت اور روحانیت.. ہماری قصیدہ خوانی کی محتاج نہیں۔ آپ کا فیضان جاری ہے۔ ہزاروں آدمی اس چشمہ سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ آپ کے بیان میں ایک ایسی حلاوت اور چاشنی پائی جاتی ہے۔ جو دل میں چٹکیاں لیتی ہے اور محسوس کراتی ہے کہ لکھنے والا کوئی صاحبِ دل بزرگ ہے اور روحانیت کی منازل سے آشنا ہے۔ آپ نے اس کتاب میں معجزات پر بھی بحث کی ہے اور اسی کے ضمن میں سائنس اور معجزات میں فرق بھی بتلایا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے اکثر معجزات بھی اس کتاب میں جمع کر دیئے ہیں۔

چونکہ کتاب میں حضور علیہ السلام کے معراج کا ذکر تفصیل سے ہے۔ اسلئے آپ نے ایک باب میں خانہ کعبہ کی تاریخ اور دوسرے میں بیت المقدس کی تاریخ بیان کردی ہے جو دلچسپ ہونے کے علاوہ معلومات سے بھی پُر ہے۔

حضرت مولانا الحاج ابو الفیض قلندر علی سُہروردی معراج جسمانی کے قائل ہیں آپ نے اپنے نظریئے کو ثابت کرنے کے لئے قرآنِ پاک کی مشہور آیت سبحٰن الذی کی نہایت دلکش تفسیر کی ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس تفسیر میں آپ نے بعض نہایت دلکش نکات بیان کیئے ہیں۔ اور لفظ "عبد" "اسریٰ" وغیرہ پر لغوی بحث

کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا اطلاق روح اور جسم کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ اسی بحث کے دوران میں آپ نے عبودیت پر فلسفیانہ اور صوفیانہ رنگ میں روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عبودیت کے بغیر انسان کسی مصرف کا نہیں۔

سیّاحِ لامکان ایک دلچسپ کتاب ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام کی سیرِ افلاک اور محبوبِ حقیقی سے ملاقات کے واقعات کو اجمالی طور پر پیش کرنیکے بعد آپ نے ایک پورا باب صلوٰۃ یعنی معراجِ مومن پر لکھا ہے۔ نماز کی برکات، نماز کی اہمیت اور نماز کے فوائد پر جی کھول کر بحث کی ہے۔ نماز مسلمان پر فرض ہے۔ اور اگر اسے حقیقت کی نظروں سے دیکھا جائے تو مسلمان کی ترقی کے تمام راز نماز میں مضمر نظر آئینگے۔ آج مسلمان ترقی کیلئے مضطرب دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس مقصد کے حصول کیلئے جو قدم وہ اُٹھاتے ہیں اُلٹا ہی پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانی کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اسکی ہوا بگڑ چکی ہے وہ افتراق و انتشار کا شکار ہو چکا ہے۔ اس اضطراب اور پریشانی کے عالم میں کبھی کبھی اس کے منہ سے بیساختہ یہ صدا نکل جاتی ہے کہ مسلمان کی مرکزیت قائم ہونی چاہیئے اسکی تنظیم کیلئے جدوجہد ہونی چاہیئے۔ یہ سب باتیں نماز کو باجماعت ادا کرنے سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ جب سے ہم نے اس فریضہ کی طرف سے تغافل برتنا شروع کیا ہے۔ ہم پستی کے گڑھے میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ اور جب ہم اس پر عامل تھے۔ ترقی کی تمام شاہراہیں ہمارے سامنے کھلی تھیں۔ پس واقعہ معراج کی سب سے بڑی یادگار اگر قائم ہوسکتی ہے تو وہ نماز ہے۔ محلے محلے میں کمیٹیاں بننی چاہئیں۔ صاحبِ دل لوگوں کو نماز کے قیام کیلئے عملی تجاویز اختیار کرنی چاہئیں۔ اور اس قسم کے رجسٹر بننے چاہئیں۔ جن میں ہر مسلمان اپنے ہاتھوں سے بلا جبر و اکراہ روزانہ درج کرے کہ اُس نے کتنی نمازیں

جماعت کے ساتھ ادا کی ہیں۔ اور کتنی نمازیں تنہا گھر میں پڑھی ہیں۔

ہم حضرت مولانا کے بیحد شکر گذار ہیں کہ انہوں نے سیاحِ لامکاں میں ایک خاص باب اسی بات کیلئے وقف کیا اور اس بات کو محسوس کیا کہ نماز درحقیقت پستی سے اُٹھا کر اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکتی ہے۔

سیّاحِ لامکان کی بعض باتیں موجودہ دور کے مسلمانوں کی چشمِ غفلت کھولنے کیلئے بڑی مفید ثابت ہوں گی۔ ان میں سے ایک چیز جو مجھے بہت پسند ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے ہم مشرب صوفیائے کرام کو دعوتِ عمل دی ہے۔ اور انہیں بتایا ہے کہ ان کا فرض فقط گوشوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ انکے ذمے تبلیغ اور اشاعت اسلام کا فریضہ بھی ڈالا گیا ہے۔ اب یہ گمنامی میں بیٹھنے کا وقت گذر چکا ہے۔ حال و قال کی محفلیں ختم ہوگئیں۔ انہیں مردِ مجاہد بنکر میدان میں نکلنا ہوگا۔ اپنے لئے نہیں۔ اسلام کی عزت وحرمت کیلئے۔ تبلیغ و اشاعت کے فریضہ کی تکمیل کیلئے۔ کاش کہ تمام صوفی آپکے ہمنوا ہوں اور جس چیز کو آپ محسوس کرتے ہیں۔ اسی سے وہ بھی اثر اندوز ہوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی، معاشری، روحانی اور مذہبی زندگی میں انقلاب پیدا کردیں۔

بہر نوع حضرت مولانا کی کتاب سیاحِ لامکاں ہر پہلو سے مفید اور دلچسپ ہے۔ ہر پڑھے لکھے مسلمان کا فرض ہے کہ اس سے استفادہ کرے۔

ایم محمد علم الدین سالک ایم۔ اے

پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنونِ تحقیق

وہ پُرفسوں کلام ہے تیرا کہ نکتہ چین
دیوان تیرا دیکھ کے دیوانے ہوگئے

چودہویں صدی ہجری کا قانونی مسلمان بھی عجیب اصول کا انسان ہے کہ ایمان بالغیب کی بجائے ہر شئے دنیوی ہو یا دینی اپنی عقلی تحقیق کے ماتحت قبول کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اصولِ ایمان و عقائد کو کھنگالا جائے۔ انکو نفسانیت کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور جب تک ایک ایک عقیدے اور اصول کے متعلق میری ناقص عقل کا اطمینان نہ ہوجائے اس وقت تک کسی ایک پر بھی تسلیم کیلئے تیار نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اسلام کے تمام اصول نہایت سادہ فطری اور عام فہم ہیں۔ اس نفس و شیطان کے فریب خوردہ مسلمان کا یہ اصول ظاہری صورت میں تو بہت دلفریب اور قابلِ قبول معلوم ہوتا ہے۔ اور کسی ظاہر بین کا اس میں مبتلا ہوجانا بعید از قیاس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسکو ایسے اصول کے ترتیب دینے والے پر حقیقتاً پاکیزگی اور روشن خیالی کا شبہ ہوجاتا ہے بلکہ کہہ گذرتا ہے کہ یہ اصول کسی پاکیزہ خیال اور وسیع القلب بزرگ کی اختراع ہے۔ حالانکہ اس سے زیادہ تاریک خیالی کی مثال دنیا پیش ہی نہیں کرسکتی۔ اور اس عقیدہ و خیال کا انسان درحقیقت الحاد کا مُبلغ اور دہریت کا داعی ہوتا ہے۔ وہ مذہب کو بیخ و بُن سے نکالکر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے اور خدائی احکام کی تابعداری سے انحراف اور سرکشی کی تعلیم دیتا ہے۔ عدم متابعت احکامِ الٰہی

کا پرچار کرکے اُس عقل کو مشعلِ راہ بنانا چاہتا ہے۔ جسکی اصلیت قدم قدم پر ٹھوکریں کھانا اور ذلت و خواری کا محتمل ہونا ہے۔ یہی عقل گمراہی کا وہ بنیادی پتھر ہے۔ جس پر کبھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ میرا مقصد اس فرینچ فیشن نام نہاد مسلمان سے عرض کرنیکا یہ نہیں ہے کہ اسلامی اصول خدانخواستہ عقل کے منافی ہیں ہرگز نہیں بلکہ حقیقتاً اسلام فطرتی مذہب ہے اور اسکا ہر اصول عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔ لیکن ادراک و بصیرت کیلئے محض عقل کو معیار بنانا انتہائی جہالت اور گمراہی ہے۔ مسلمان اسلام کے ہر اصول کو عقل کی روشنی میں سمجھے اور ضرور سمجھے لیکن اگر کسی اصول کے سمجھنے میں اسکی عقل اسکا ساتھ نہ دیسکے تو اُس اصول کو مردُود و نامقبول نہ سمجھلے کیونکہ اُسکی عقل پر غلطی کرنے کا امکان ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عقل کے نقص اور بصیرت کی کوتاہی کے سبب اس اصول کی بار یکی اُسکی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ عقل غلطی کرسکتی ہے اور نقصِ عقل مسلّم ہے۔ سو دنیا بھر کے عُقلا اور تمام زمانہ کے مدّبرین گواہ ہیں کہ انکی عقول نے کیسی کیسی ٹھوکریں کھائیں اور بڑے بڑے مایۂ ناز علمار سے عقلی تحقیق میں غلطی کا ارتکاب ہوا۔ بطلیموس نے (سکونِ ارضی) کا ایک نظریہ پیش کیا جس پر تمام دنیا ایمان لے آئی۔ مگر تھوڑے ہی دنوں بعد گلیلیو نے اس تحقیق کی دھجیاں اڑادیں۔ اسکے بعد نیوٹن نے کچھ اور اضافہ کردیا۔ غرضیکہ عقل کا تعمیر کردہ محل اسی طرح تباہ و برباد ہوتا رہتا ہے اور ہر زمانہ میں ہر فلسفی اور صاحبِ عقل ایک دوسرا قصر تعمیر کردیتا ہے بارہا حرکت وجہت مرکز و اجزاء کے متعلق لامحدود نظریے مدّون ہوئے لیکن آنیوالی صدی کے عُقلا نے گذشتہ صدی کے نظریوں کو باطل کرکے رکھدیا۔ یہ ہے عقل کی کائنات اور اُسکے کمال کا عالم۔ کیا اس نوعیت کی عقل پر پورا پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اگر اسی اصول پر دنیا عمل شروع کردے کہ تحقیق کے بغیر کسی بات پر ایمان

لانا حماقت ہے۔ تو کائنات کے بہت سے نظریوں اور دنیا کے اکثر اصولوں کے متعلق انسانی عقل شُبہ میں رہیگی۔ پھر اسکے علاوہ تحقیق کا یہ سودا انسان کو اس درجہ مضطرب و بیقرار بنادیگا کہ وہ اضطراب کے سوا کبھی بھی سکون کی دولت سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے گا۔ میرے خیال میں اضطراب روح سے بڑھکر اور کوئی چیز انسان کیلئے باعث تکلیف نہیں ہو سکتی۔ تحقیق کے اِس عجیب و غریب اصول کے مُدوّن کرنیوالے کیا دنیا کو مضطرب بنانا چاہتے ہیں اور یقین و ایمان کی اس سرمدی قوت کو دلوں سے چھین لینا چاہتے ہیں جو فلاحِ کونین کی ضامن ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کا کوئی انسان اس اصول پر کاربند ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس حیاتِ چند روزہ میں کائنات کے لاتعداد اسرار اور اُسکے انگنت شئون و مظاہر کی کُنہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ جب یہ امر اپنی جگہ ثابت ہو چکا ہے تو پھر ایک محال شئے کے پیچھے دوڑنا کھُلی ہوئی حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر وہ اشخاص جو اس نوعیت کے اصول پر ایمان رکھتے ہیں وہ خود اسکے عامل نہیں ہیں اور نہ وہ اس پر عمل کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ پس سکونِ ضمیر اور اطمینانِ قلب کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ انسان ایمان بالغیب کا قائل ہو جائے اور تجربہ و مشاہدہ کے فریب میں مبتلا نہ ہو۔

(ایمان بالغیب) کے نام سے اس دور کے نوجوان تعلیمیافتہ شاید کچھ بھڑکیں گے اور کہیں گے کہ اس زمانہ میں جبکہ ہر چیز کا مطالعہ تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں کیا جا رہا ہے۔ ایمان بالغیب کی تعلیم ایک مضحکہ انگیز چیز ہے۔ لیکن میں آپکو بتاؤنگا کہ ہر انسان غیب پر ایمان لانیکے لئے فطرتاً مجبور ہے۔ اور ایمان بالغیب کے بغیر زندگی بسر ہی نہیں ہو سکتی آپ نے جغرافیہ کی کسی کتاب میں پڑھا ہوگا کہ شہر پیکن۔ چین کا دارالسلطنت ہے اور

اس جملہ کے پڑھتے ہی آپ ایمان لے آئے کہ واقعی جو کچھ کہا گیا وہ درست اور ٹھیک ہے۔ حالانکہ تحقیق و تجربہ کا منشا تو یہ تھا کہ آپ چین جاکر اس جملہ کی سچائی کو جانچتے کہ آیا پیکن نامی کوئی شہر چین میں ہے بھی یا نہیں۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور آپ ایمان بالغیب کے عامل ہو گئے ہیں۔ اسیطرح آپ دنیا کی ہزاروں چیزوں کے متعلق ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔ ہاں تو مطلب عرض کرنیکا یہ تھا کہ جغرافیہ کی کتاب پڑھنے سے پہلے آپ کے دل میں یہ یقین ہو گیا کہ اس کتاب کا لکھنے والا غلط بیانی سے کام نہیں لے سکتا۔ لہذا آپ اُسکی ہر بات پر ایمان لے آئے اور آپ نے اپنی عقل کو ایمان بالغیب کے تابع رکھا۔ جغرافیہ، تاریخ علم الانساب نیز دیگر دنیوی علوم کے سلسلے میں تو آپکی عقل اس فرومائگی کیساتھ سپر انداختہ ہو جاتی ہے۔ لیکن افسوس کہ اصول مذہب کے متعلق آپ عقل کی تلوار کو بے نیام لیکر اُٹھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ جسدِ مذہب کی ہر رگ کو قطع کر دیں کیا اسی کا نام تحقیق ہے۔ یہ تو کھُلی ہوئی مذہبی عداوت اور الحاد و دہریت کی دعوت ہے ایک جغرافیہ کی کتاب لکھنے والا آپکے نزدیک معتبر ہے لیکن پیشوایانِ مذہب جنکی عظمت و صداقت ہر حیثیت سے مُسلّم ہے اُنکی نسبت آپکی عقل طرح طرح کے شبہات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اور اُنکی تنقیص کیلئے آپ کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے کیا اسی کو انصاف اور روشن خیالی کہتے ہیں۔

تحقیق کا منشا تو تسکینِ ضمیر اور اطمینانِ قلب ہے۔ لیکن فی الحقیقت تسکین و اطمینان کے حصول کا راز (ایمان بالغیب) میں مضمر ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ تحقیق بُری چیز نہیں لیکن اس میں بھی حد سے گذرنا مراق کہلائیگا۔ تحقیق کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک انکشافِ حقائق کیلئے تحقیق کرنا۔ دوسرے اپنے مزعومہ خیال اور مفروضہ اصول کی فتح کیلئے

تحقیق کی آڑ میں ایمان و مذہب کا شکار کرنا۔ پہلی صورت بالکل مستحسن ہے۔ اور صورتِ ثانی سخت تباہ کن۔ اور اسی کا نام الحاد و دہریت ہے۔ میرے ایمان میں اسلام کی تعلیم شکوک و شبہات سے بالکل پاک ہے۔ اس کا ہر اصول آئینہ سے زیادہ شفاف اور چاندنی سے زیادہ اُجلا ہے۔ جو شخص تعصّب، عداوت اور پندارِ عقل سے ہٹ کر اس کا مطالعہ کرنا چاہے۔ اسکو یقیناً اطمینان و سکون کی دولت نصیب ہو سکتی ہے۔ لیکن کمالِ عقل کے ناسزا پندار کے ساتھ اجتہاد و تحقیق کا دعویٰ کرنا اور پھر اصولِ اسلام کو اپنے منشار کے مطابق سامنے لانا یہ خدمتِ اسلام نہیں بلکہ اسلام دشمنی ہے۔ جس سے کسی قسم کا دینی اور دنیوی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

یہاں چند مثالیں قابلِ ذکر ہیں جنہیں مدعیانِ عقلی تحقیق کا فتویٰ درکار ہے وہ سمجھائیں کہ اس کا حل کیا ہوگا۔ ایک جماعت کی عقل مذہب کی پابندی چاہتی ہے اور دوسری عدم پابندی۔ ایک کا خیال ہے کہ آسمان کا وجود ہے۔ دوسری اسکو حدِ نگاہ بیان کرتی ہے۔ ایک کے نزدیک زمین گھومتی ہے دوسری کے نزدیک اسکا گھومنا محال ہے۔ ایک جماعت کا نتیجۂ فکر خدا ایک ہے۔ دوسری کا اعتقاد خدا تین یا زیادہ ہیں۔ ایک کے نزدیک انسان کے مہذب ہونیکی دلیل عمدہ لباس کا اختیار کرنا ہے دوسری کے نزدیک جانوروں کی طرح برہنہ ہونا لازمی ہے۔ ایک جماعت کے خیال میں لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم ارتقار روحانی و اصلاحِ اخلاق کی بہترین صورت ہے دوسری جماعت کے خیال میں احمقانہ فعل ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ شراب اور خنزیر بہت مُضر ہیں۔ دوسرا کہتا ہے نہایت مفید اور معینِ صحت ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ عورتوں کو مردوں کے بالکل برابر سمجھنا چاہیے۔ دوسری کا خیال ہے کہ وہ سر سے

پاؤں تک زمین و آسمان کا فرق رکھتی ہیں یہ فطرت کے خلاف ہے۔ ایسی بے شمار باتیں ہیں جن میں اہلِ عقل مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں حیرت ہے کہ عقلی تحقیق کا دعویٰ کرنے والے کیا کرینگے۔

یہ تمہید مختصر طور پر محض اسلئے لکھی گئی ہے کہ اس کتاب کا موضوع (مسئلہ معراج النبی) علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی عقلی تحقیق کا شکار بن چکا ہے۔ جسکے بغیر اس مسئلہ کی تصدیق کرتے پر سیدنا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے صدیق کا لقب حاصل کیا تھا۔ اور آج بعض مذہب عقیدہ کے لوگ اس مسئلہ میں روحانی و جسمانی بحثیں چھیڑ کر بعض اوقات توہینِ نبوت جیسا ایمان سوز کلام کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ انکو اتنا علم ہوتا ہے کہ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت میں، رسالت میں، شریعت میں، فضیلت میں، تربیت میں، محبوبیت میں غرضیکہ دینی و دنیوی لحاظ سے زندگی کے ہر علمی و عملی پہلو میں تمام انبیاء علیہم السلام سے مابہ الامتیاز شانِ تفوّق رکھتے ہوں۔ انہیں شایانِ شان معراج بھی وہی ہو سکتی ہے جسکی نوعیت تمام متقدمین انبیاء علیہم السلام سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہو۔ اگر ان مسلمانوں کے نزدیک اس نبوت تامّہ اور مستقلہ کی یہی حیثیت ہے تو پھر اسکے کسی جزو کا انکار یا اشتباہ تقصیرِ محبتِ نبوی علیہ السلام کی دلیل ہے انکو اپنے تحفظ ایمان کی فکر کرنی چاہیئے۔ وما علینا الا البلاغ۔

سائنس اور معجزہ

بندۂ حق بندۂ اسباب نیست
زندگانی گردشِ دولاب نیست

ازلی و ابدی وحدہٗ لاشریک خدا کا بیشمار شکر ہے کہ اس نے اپنی خاص الخاص رحمت و عنایت سے اپنے ناچیز بندہ کو اسلام جیسا گراں بہا خلعتِ کرامت فرما کر اپنے محبوب و خلیل خاص کی زبانی هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ کا خطاب عنایت فرمایا۔ اسکی یہی نعمت کم نہ تھی کہ اس پر خاتم النبیین سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نعمتِ عظمیٰ کی منزل بھی ہمیں کو قرار دیکر سرفرازی بخشی یہ ایک دوسری بات ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنیوالے بعض ناسپاس اس احسانِ خداوندی جلّ وعلا شانہٗ کی قدر نہ کریں۔ اجر عنایاتِ رسالت تو کیا دنیا تھا۔ ایسے نام نہاد مسلمان اُس کو اُن بزرگیوں اور درجات کیساتھ ایمان میں بھی جگہ نہیں دیسکے جن زینتوں کیساتھ اُسے مُزیّن و ممتاز فرما کر مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اُسکی تعلیم کے مقابلے مین عقلی ڈھکوسلوں کو جگہ دیکر معجزات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے۔ حالانکہ معجزہ ایک وہ چیز ہے جسکا مقصدِ ظہور ہی یہ ہوتا ہے کہ انسانی دماغ اور اُنکی محدود عقلیں اسکی حقیقت تک رسائی ہی نہ رکھتی ہوں اگر وہ عقل میں آجانیکی چیز ہو تو پھر اُس میں کیا فضیلت ہے۔ ایسا کام ہر زید، بکر، عمر بھی کر کے دکھا دینے کا مدعی ہو جائیگا۔ اور وہ غرض پوری نہ ہو سکیگی جو معجزہ پیش کرنے میں مُضمر تھی۔ کیونکہ ما فوق الفطرت عمل کا نام ہی معجزہ ہوتا ہے۔ معجزہ ایک قوتِ روحانی اور عطیہ ایزدی ہے جس سے ہر شخص کو بہرہ نہیں ہو سکتا۔ سوائے انبیاء علیہم السلام کے جو معجزات کے دکھانے میں منجانب

اللہ مختار ہوتے ہیں اور جب چاہتے ہیں دکھاتے ہیں۔ برخلاف اختراعات سائینس کے جن کا تعلق عقل کی تحقیق سے ہوتا ہے اور اس سے مادی ایجادیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ قوت اعجاز سے جو کام بلاسبب اور مادہ کے سیکنڈوں میں منصۂ شہود پر آتا ہے۔ سائینس کے ذریعہ وہ مادی صورت لیکر اُسی کیفیت کیساتھ سالوں میں بھی آنا غیر ممکن ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ناقص عقل قدرت الٰہیہ کے راز کو محیط ہو سکے۔ اور مقابلہ میں حقیقت کو پہنچ جائے۔ آؤ۔ ہم ایک دو مثالوں سے واقعیت کا اظہار کرتے ہیں۔ جس سے سائنس اور معجزہ کی تھوڑی سی حقیقت عیاں ہو جائیگی۔ اور باسمجھ آدمی کسی نتیجہ کو اخذ کر سکیگا۔

عہدِ حاضر کو تہذیب و شائستگی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ علوم و فنون کی ترقی و عروج کا وقت ہے۔ یورپ و امریکہ وغیرہ کے کارناموں کو دیکھکر سائنس کے شباب کا زمانہ بولا جا سکتا ہے پھر آجکل سائنس کے کمال دو چیزوں میں زیادہ تر دکھلائے بھی جا رہے ہیں۔ (خبر رسانی کا سلسلہ اور (قطع مسافت) ہر دو دور دراز مقام پر جلد از جلد اور کم از کم اسباب کے ذریعہ خبر رسانی میں کامیابی کی سعی کی جا رہی ہے۔ عرصہ سے اہلِ عقل نے اپنی پوری قوت صرف کر کے ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کی صورت میں نتیجہ مرتّب کر بھی لیا ہے۔ جنکی وجہ سے دنوں اور گھنٹوں کی ضرورت منٹوں اور سیکنڈوں پر آکر منتہی ہو گئی ہے۔ مگر یہ کوشش صرف اسی کامیابی پر پہنچ کر ختم نہیں کر دی گئی۔ بلکہ وقت اور اسباب کے خرچ میں کچھ اور تخفیف کرنیکی فکر مادی دنیا کو لگی ہوئی تھی۔ جسکا ایک نتیجہ وائرلیس بھی ہمارے سامنے ہے۔ جس نے مہذب دنیا کا نہ صرف بہت سا گراں قیمت وقت ضائع ہونیسے بچایا۔ بلکہ درمیان کے وہ تمام اسباب و آلات بھی جو اور برقی ذرائع میں لازمی تھے۔ بالکل بے ضرورت ثابت کر دیئے۔ علیٰ ہذا قطع مسافت کیلئے بھی جو جو سریع رفتار آلات ایجاد کئے گئے اور آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ وہ

اہلِ دنیا کی موجودہ ترقی اور اسکے انہماک پر کافی روشنی کی دلیل سمجھے گئے ہیں۔ ریل، موٹر، بحری اور ہوائی جہاز سب سائنسدان طبقہ کی کامیاب جدوجہد کے شواہد ہیں۔ لیکن انسانی خیالات کی سطح ابھی کچھ اور بلندی کی مقتضی ہو رہی ہے اور صرف کرۂ ارض تک محدود رہ جانا اپنے ارادے کیلئے ایک بد نما دھبا تصور کرتی ہے۔ اسلئے کرۂ مریخ و قمر میں پہنچنے کی تدبیریں بھی شروع ہو گئی ہیں۔

یہ ہے موجودہ سائنس کی ترقیوں کا مختصر تذکرہ جو آپنے پڑھ لیا۔ اب نبئ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم (بابائنا و امہاتنا) کے سائنس شکن معجزات اور مادیات سے کنارہ کش ہو کر جہانبانی کرنیکی تعلیم کو بھی مطالعہ کیجیئے۔ جسکی شاہراہِ ہدایت بالکل واضح بالکل سادہ اور بالکل بے خطر ہے۔ جس میں انسان کو مادیات کا پابند نہیں بنایا گیا۔ بلکہ مادیات پر تصرّف کرنا سکھایا گیا ہے۔ سائنس کو اس بات پر فخر ہے کہ میں نے مادیات کے استعمال کا نیا طریق ایجاد کیا ہے۔ لوہا، سونا، تانبا، پتھر، تیل۔ پانی وغیرہم کو بہترین طور پر انسانوں کی ضرورت میں لایا ہوں۔ مگر معجزہ کا دعویٰ ہے کہ یہ چیز جسکو تو نے استعمال کا نرالا ڈھنگ نکال کر تفاخر کی ڈینگ ماری ہے میں ایسی کروڑ ہا اجناس طرفۃ العین میں خود پیدا کر سکتا ہوں۔ پھر کیا تماشہ ہے کہ لوہے کے استعمال کا ڈھنگ سوچنے والا اسکے بنانیوالے کے مقابلہ میں آکر فوقیت کی لاف مارے اور لوہا عطا کرنیوالی ہستی ہی کو فراموش کر دے۔ مسلم کو قرآنِ کریم نے جو تعلیم دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں اسکو بندۂ اسباب ہونیکی زحمت سے بچایا گیا تھا۔ کیونکہ انسان مظہرِ قدرت ہے اس میں جب اپنے مولا کریم سے متعلق ہو کر کُن فیکون کی طاقتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔ تو پھر اسکی زبان کا ایک کلمہ بغیر اسباب کے جہاں وہ چاہتا ہے پہنچ جاتا ہے۔ جیسے خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی آواز

مدینہ طیبہ سے بغیر کسی اسباب کی تلویث کے اٹھتی ہے اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو نہاوند کے پہاڑوں میں جنگ کے موقعہ پر پہنچتی ہے۔ منبرِ نبوی پر کھڑے ہوئے نہ انکو کسی ٹیلیفون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ وہ تار گھر تک دوڑنے کی زحمت اٹھاتے ہیں۔ یہی حال قطع مسافت یا سامان باربرداری کا ہے۔ جسکو قرآنِ کریم نے اسطرح ذکر فرمایا ہے کہ ہمارے ایک مقبول بندے سلیمان علیہ السلام کو تختِ بلقیس منگوانے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ درباریوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی ہے جو جلد از جلد تختِ بلقیس ملکِ سبا سے میرے دربار میں حاضر کرے تو ایک مردِ خدا عرض کرتا ہے کہ اتنے عرصہ میں ہزاروں ٹن کی چیز سینکڑوں کوس سے دربارِ نبوت میں حاضر کرتا ہوں کہ آپ آنکھ جھپکیں یا نگاہ پھیر کر دیکھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب نگاہ لوٹا کر دیکھا تو تختِ بلقیس دربار میں حاضر تھا۔ کیا مادیات کے پابند اور بندگانِ اسباب اس قوت کے مقابلہ میں دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم اوجِ ترقی پر جا رہے ہیں۔ نہیں بلکہ اسلام نے جو قوتیں دنیا کو بخشی تھیں انکو کھو کر تنزل کی جانب سفر کر رہی۔ اور آج بہت سے لوگ ایسے دکھائی دیتے ہیں جو اس جادۂ پر گامزن ہونا غلطی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اور نہ اس انکار واہمہ سے اسلام کے اصولوں کی خوبی وصدق میں کوئی خرابی پڑتی ہے۔ اس سے پہلے بھی خدا کی توحید کو تثلیث پرستوں یا تینتیس کروڑ معبودوں کے پرستاروں نے گندگیٔ شرک سے ملوث کرنا چاہا۔ مگر حق بین نگاہیں اسے ہو اللہ احد سمجھتی رہیں۔ ناعاقبت اندیش گروہ باوجود نبی الرحمتہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود کے مسیلمہ کے گرویدہ ہوگئے۔ مگر انکی یہ گرویدگی نورِ الٰہی کی روشنی کو خیرہ نہ کر سکی۔ خاتم النبیین کی ہدایت کے ہوتے ہوئے بہتوں نے دعویٰ نبوت بھی کیا اور مذبذبین سے کچھ نہ کچھ اپنے ہمرنگ

بنا بھی لئے مگر صداقت نے آخر انکے اس فریبِ نظر کو توڑ ہی دیا۔ فرعون کے دعوائے خدائی سے خدا کی الوہیت میں کوئی بٹہ نہیں لگا۔ شدّاد نے نبی کی مخالفت کا وہ پھل پایا جو اسکو پانا چاہیئے تھا۔ حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا نام نامی آج بھی دنیا میں اظہر من الشمس ہے۔ گو نمرود حسد کی آگ میں جلا کیا۔ آفتاب اپنی پوری ضیاء سے منوّر رہے گو شپرّہ اسکے طلوع کو مکروہ اور ناخوش سمجھے۔ انوارِ رسالت ناقابلِ انکار ہیں ابوجہل مانے یا نہ مانے خدائے واحد ہمیشہ حی و قائم ہے چاہے تین سو ساٹھ بت بھی مدعیِ خدائی ہوں۔ دینِ محمدی حق ہے۔ اگرچہ سرکارِ کائنات صلعم شعبِ ابوطالب میں پابندِ شرِ اشرار ہو جائیں۔

ہدایت قرآنِ کریم کے دعویٰ کے مطابق اُن متقین طبائع کیلئے ہے۔ جن میں فطرتاً گناہ سے پرہیز کا مادہ ہو۔ عمداً نہ سمجھنے والوں کو کون سمجھائے۔ سونے والوں کو جگانا آسان ہے مگر جاگتوں کو بیداری کی دعوت غیر مفید۔ اسلام کی تعلیم نہ پہلے بوسیدہ تھی نہ آج کہنہ ہے نہ پہلے ناممکل نہ آج محتاجِ تکمیل۔ بلکہ وہ آج سے چودہ سو سال قبل "اکملت لکم دینکم" کی سند لیچکا تھا۔ حضرت آدم سے اسکی ابتدا ہوئی اور حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسکی تکمیل کر دی۔ ہاں جو انکی اصلاح کو قبول نہ کرے وہ خود اصلاح کے قابل اور مستحقِ زجر و توبیخ ہے۔ حقیقتاً آج جو اسلام کی حالت زبوں بیان کیجاتی ہے وہ اسلام کی نہیں بلکہ اسلام کے جھوٹے دعویداروں کی ہے جس کا راز اس میں مضمر ہے کہ اسلام کے بتائے ہوئے اصول آج متروک ہیں اور اُسکے فرمائے ہوئے قواعد پس پشت ڈالدیئے گئے ہیں۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفینِ اسلام اسلامیوں کی قومی مذہبی، ملکی و سیاسی تمام طاقتوں میں کمزوری کا احساس کرتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں اسلامیوں کی عملی غلطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں نابود کرنیکی غرض سے سینکڑوں شرزباں اور

ہزاروں سوسائٹیاں قائم ہوگئیں۔ مذہب کا نام لینا گناہ سمجھا کر سادہ لوح بچوں کے دماغوں پر بے دینی کا نقش بٹھایا گیا۔ اور بالآخر لامذہب بنا کر روایات مذہب سے منحرف کر دیا گیا اور کم از کم یہ ہُوا کہ انکی مذہبی ہمدردی تمام مذاہب سے علیحدہ کر دی گئی۔ دینی عُلماء پر پھبتیاں کہی گئیں۔ اُنکے لباس، اُنکی ریش، اُنکی گفتار و رفتار کے خاکے اُڑا کر ایک وسیع لا مذہبی کی بنیادُ ڈالی گئی۔ جسکے حدود اسطرح بیان کئے جا سکتے ہیں کہ ہم کسی کی بات کے پابند نہیں چاہے وہ خدا اور رسولؐ ہی کی کیوں نہ ہو۔ مگر یورپ اور امریکہ اس سے مستثنےٰ ہیں۔ ہم اسی باتکو مانینگے جو سائنس سے ثابت ہو مگر شرط یہ ہے کہ اسکا قائل یوروپین یا امریکن ہو۔ ہم ہر بات کو عقلِ عام (کومن سنس) سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ جسکی گواہی یورپ کے اخباروں سے مل سکے۔ بہر حال جب یہ دور ترقی ہوا تو مذہبی عمل روز بروز کم ہوتا گیا۔ اور نوبت یہ پہنچی کہ مسلمان ہیں مگر عیسائی سے امتیاز نہیں۔ ہندو ہیں مگر عدم موجود کا فرق نہیں۔ اِدھر مذہبی نفرت کا یہ رنگ چڑہا اُدھر ولایتی نظریات نے اپنا اثر کیا۔ مذہب سے ہٹ گئے اور موافق رفتارِ زمانہ پرانے مذہب میں ترمیم کر کے کسی نئے نبی کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ ایک نے تاجِ نبوت مرزائے قادیانی کے سر پر رکھا اور دوسرے نے آریہ سماج کی عقیدت لازم کرلی۔ یہ اس قوم کی تبلیغ تھی۔ جس نے اسلام کے قلع قمع کا تہیہ کر لیا تھا اور بہت کچھ صدمہ پہنچا چکی تھی۔ مگر نام نہاد مسلمان ہیں کہ وہ اُسی قوم کے زیر اثر ہونیکو اپنی ملّی زندگی کا جزوِ اعظم سمجھتے ہیں۔ کوئی تعجب نہیں اگر یہ کہدیا جائے کہ اہلِ حق کو اس عقلی تمیز کی بنا پر خدا نخواستہ اُسدن کا منتظر رہنا چاہیئے۔ جب توحید و رسالت کے عقایدِ حقہ کو دلوں سے نکالنے کیلئے انقلاب زندہ باد کا نعرہ لگایا جائے۔ اور ایک ہی جُست میں مسجد سے نکل کر کلب گھر میں جا بیٹھیں۔ کیونکہ جن افراد و اقوام نے اپنے بزرگانِ سلف کے

طرزِ عمل سے مُنہ موڑا اور مذہبی روایات کی صداقت کو توڑا ہے اُن کا انجام کار یہی ہوا ہے۔ کیا قرآن پاک نے اس تنگ نظری سے ہٹانے کیلئے یہ نہیں فرمایا کہ ایسی ہزاروں قومیں جنکو اپنے اسباب پر ناز تھا۔ خدا نے تباہ کر کے بے نام ونشان کر دی ہیں۔ اور جس قوم میں مادہ پرستی کا شُبہہ بھی نہ تھا اپنے ایک ایک بندے کو حقیقت کی بنا پر بیشمار مادہ پرستوں پر غالب رکھّا۔ ایک قوم حضرت صالح علیہ السلام سے نبوت کی دلیل یہ طلب کرتی ہے کہ اس پتھر سے اونٹنی پیدا ہو اور وہ پیدا ہوتے ہی بغیر کسی ہمجنس نر کے اختلاط کے بچہ جنے اور صالح علیہ السلام ایسا کر کے دکھا دیتے ہیں اور قوم اس اونٹنی کو مار ڈالنے کے عوض میں مستحق عذاب قرار دی جاتی ہے۔ کیا اہلِ عقل اس پر غور کے بعد اپنی مادہ پرستی کے ماتحت سوائے ہٹ اور انکار کے کچھ اظہار خیال کر سکتے ہیں کہ یہ طاقت قوی تر ہے یا وہ جو اسکو پا لینے کے بعد صرف یہ معلوم کرلے کہ اونٹنی دودھ بھی دیتی ہے اور یہ ہمارے کام کی چیز ہے۔ مسلمانوں کو ایسے الحاد سے بچنا چاہیئے جو متاعِ ایمان کیلئے برقِ خاطف ثابت ہو۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ الْمُلْحِدِیْنَ وَالْمُشْرِکِیْنَ ط۔

مُعجزہ اور اُسکی حقیقت

ملائک کی نظر خیرہ ہے انوارِ صفاتی سے
وہ کیا جانیں قدم انسانِ کامل کا کہاں پہنچا

شاید بعض احباب کو ہمارے سابق بیان سے کچھ تردّد پیدا ہو کہ نبی کا کام تو ہدایت ورہنمائی کرنا ہے۔ عالم میں یہ تصرفات اور معجزات جو بظاہر قانونِ قدرت کے خلاف ہیں کیا چیز ہیں۔ غالباً یہ پرانے خیالات ہیں جو ابتدائے عمر سے سُنتے سُنتے دلوں میں راسخ ہو گئے ہیں کہ انکا منکر کافر شمار کیا جاتا رہا ہے۔ اور آجکل کے اہلِ یورپ جنکی تحقیق کے سامنے افلاطون اور ارسطو طفلِ مکتب ہیں اُن پر قہقہہ مار کر ہنستے ہیں۔

اسلئے۔ مجھے یہاں اس بات کی بھی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ معجزہ کیا چیز ہے اور وہ ممکن بھی ہے کہ نہیں اور نبی سے کس حکمت کیلئے صادر ہوتا ہے اور نبی کی نبوت کی تصدیق کر سکتا ہے یا نہیں بیان کر دوں۔ سو معلوم کیجئے کہ مُعجزہ وہ خلافِ عادت عمل ہے جو کسی نبی کے صدق کی دلیل ہو اور اُسکے تبلیغی اصولوں میں سے کسی اصل کے منافی نہ ہو۔ جو چیز کہ خلافِ عادت اور خلافِ قانونِ قدرت یعنی بغیر اس بات کے کہ وہ اپنے اسباب عادیہ پر مبنی ہو کسی شخص سے سرزد ہو تو اُسکو خارق عادت کہتے ہیں۔ مثلاً عادت یوں جاری ہے کہ بھوک پیاس کھانے پینے سے دور ہوتی ہے یا درخت اور پتھر اور حیوانات گائے بھینس اونٹ گدھا وغیرہ انسان سے کلام نہیں کرتے کوئی درخت یا پتھر کسی کے بلانے سے بحرکت ارادیہ نہیں آسکتا یا کوئی شخص

دریا کے پانی پر زمین خشک کی طرح نہیں چل سکتا۔ یا ایک آدمی کا کھانا سینکڑوں آدمیوں کو شکم سیر نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی شخص ایک مٹھی خاک سے ہزاروں آدمیوں کو اندھا یا ہلاک کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ پس جو کوئی آدمی ایسا کر دے تو یہ کام اس کا خارق عادت ہوگا اب یہاں سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جو کام بذریعہ آلات و اسباب ہوں۔ خواہ وہ اسباب مخفی ہوں یا ظاہر۔ جیسا دوا سے بیمار کا تندرست ہونا۔ کشتی کے ذریعہ سے دریا کو عبور کرنا خارق عادت نہیں۔ پھر یہ خارق عادت اگر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو اسکو مُعجزہ کہتے ہیں۔ کہ مخالف کو اسکے مثل کام کرنے سے عاجز کر دیتا ہے۔ اب خواہ مدعیِ نبوت سے یہ مُعجزہ ایک معمولی طور سے قبلِ نبوت صادر ہو یا اسوقت نبوت کا دعویٰ بھی ساتھ ہو۔ اگر یہ خارقِ عادت نبی کے پیرو سے ثابت و صادر ہو اگر وہ ولی ہے تو اسکو کرامت کہتے ہیں اور اگر غیر ولی مومن صالح سے صادر ہو تو اسکو معاونت کہتے ہیں اور جو نبی سے قبل نبوت سرزد ہو تو اسکو اِرہاص کہتے ہیں اور اگر کوئی ایسی بات کسی بُرے شخص سے صادر ہو تو اسکو استدراج کہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ خدا کی رحمت عامہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ نبی کے ذریعہ اپنی مخلوق کو اپنے راز سے بہرہ مند کرے اور اس سے عام لوگوں کو نفع پہنچائے۔ جو لوگ طبیعت سلیم رکھتے ہیں وہ تو اس نبی کو اسطرح پہچان جاتے ہیں جس طرح بچہ بغیر کسی کے کہے سُنے اور رغبت دلائے کے ماں باپ کو جان جاتا ہے۔ پس جو ہستی مبدءِ ولادت میں بچہ کو ماں کی چھاتیاں بتلا دیتی ہے وہی لوگوں کو مربّی روحانی (نبی) کی خبر دیتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جنکی طبائع میں کچھ کجی ہوتی ہے۔ بغیر کسی علامت دیکھنے کے تصدیق نہیں کرتے۔ جیسا کہ بعض بیمار دوا کو بغیر شیرینی ملائے نہیں پی سکتے۔ پس جس طرح مہربان

طبیب اُس میں شیرینی ملا دیتا ہے تاکہ مریض اپنی صحت کیلئے دوا کو قبول کرلے۔ اسیطرح وہ حکیم رحیم جل شانہٗ بھی نبی کے ہاتھ کوئی امر خارقِ عادت کہ جسکو مُعجزہ کہتے ہیں اُنکی تصدیق کیلئے صادر کراتا ہے اور اس مُعجزہ سے بہت سے فوائد ظاہر کرنے مقصود ہوتے ہیں مثلاً (۱) منکرین کو نبی کی تصدیق نصیب ہو جاتی ہے (۲) غالباً وہ مُعجزہ فی نفسہٖ کوئی خیر اور عام فائدہ کی چیز ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی انگشتانِ مبارک سے پانی جاری کرکے ایک جمِ غفیر کو اس پانی سے سیراب کرنا۔ پھر لوگوں کے دلوں میں اس سے نور پیدا ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بغیر کسی پُل کے بنی اسرائیل کو سمندر یا دریا سے پار اُتار کر موذی فرعون کے مظالم سے نجات دینا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مائدہ سے لوگوں کو تقویت دینا (۳) مُعجزہ سے مومنوں کا یقین اور زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ (۴) خدا اور اُسکے رسول کی عظمت لوگوں پر ظاہر ہو جاتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ مُعجزہ کو آیت کہتے ہیں۔ جسکے معنی علامت اور نشانی کے ہیں وہ کبھی منکروں کی تہدید اور تعذیب اس معجزہ سے مقصود ہوتی ہے کہ جس سے اور لوگ عبرت حاصل کریں۔ گو اُنکے حق میں ایسا معجزہ قہرِ الٰہی ہوتا ہے۔ مگر اوروں کیلئے رحمتِ الٰہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا سے صورتوں کا مسخ ہو جانا یا ایک مٹھی کنکریوں سے صدہا لوگوں کی آنکھیں بند ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ اسکے علاوہ اور بیشمار مصلحتیں ہوتی ہیں جنکو وہ علیم و حکیم ہی خوب جانتا ہے۔

بعض فلسفیوں نے معجزہ کے متعلق بزورِ فلسفہ مخالف کلام کیا ہے۔ اور تاویلات رکیکہ کے ذریعہ سے قرآن اور مسلمانوں کی کتابوں سے استدلال کرکے انکار کی صورت نکالی ہے جو سراسر ملمع کاری ہے۔ مسلمانوں میں پابندِ فلسفہ قدیمہ ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جسکو معتزلہ کہا جاتا تھا۔ اُنکے نزدیک قرآن کی یہی بڑی خدمت تھی کہ وہ قرآن اور حدیث

کوتاویلات کے ذریعے سے فلسفۂ یونانی کے موافق کیا کرتے تھے اور جہاں موافقت نہ ہوسکتی تھی وہاں اُس حدیث کا انکار کردیتے تھے۔ یہ اِس لئے کہ اُس وقت کا فلسفہ اُنکے نزدیک حق ثابت ہوگیا تھا۔ پھر ایسا کرنے سے اسلام فلسفہ کی ٹکر سے محفوظ رہتا تھا۔ ورنہ اُنکے نزدیک چُور چُور ہوجاتا۔ جیسا کہ آجکل ہندوستان کے بھی بعض مسلمان فلسفۂ حال کے مطابق وہی طرزِ عمل اختیار کئے ہوئے ہیں۔ مگر متقدّمین اسلام نے جماعتِ معتزلہ کی تمام کوشش کو بیکار جانا اور بڑی حقارت کی نظر سے ٹھکرادیا۔ جسکا نتیجہ آج سمجھ میں آتا ہے کہ انہوں نے خوب کیا تھا۔ کیونکہ جب پرانے فلسفہ کا آج کے نئے فلسفے کی ٹکر سے چورا ہوگیا ہے۔ تواس کیساتھ اسلام کا بھی آج چورا ہوجاتا۔ اسی طرح موجودہ فلسفہ کا اگر آگے چلکر غلط ہونا ثابت ہوگیا اور ہوگا اور ہوتا جاتا ہے تو پھر اس کے مطابق اسلام کا کیا حشر ہوگا۔ لہٰذا مُعجزہ دوسرے معنوں میں بے ایمانوں کا ایمان ہے جسکو دیکھنے کے بعد منکرین مبہوت اور لاجواب ہوجاتے ہیں اور یہ قوت قریباً قریباً تمام انبیاءعلیہم السلام نے منکرین کے سامنے انکی طلب پہ یا بلا طلب استعمال کی ہے۔ جس سے انکی دعوت کو زیادہ قلوب میں قبولیت کا موقعہ ملا ہے اور یہ حقیقت بھی مُعجزہ کے اظہار سے منکرین پر کُھل گئی کہ رسالت کا مدعی رسول ہے۔ پس جس شخص نیک عادت بادی سیرت نے نبوت کا دعویٰ کرکے مُعجزہ دکھادیا خواہ اُسی وقت یا بعد اُسکے یا تعلیم اُمت کے یا اور وقت میں بلاشک وشبہہ یہ بات ثابت ہوجائیگی کہ یہ شخص مدعی نبوت بنی ہے۔ الغرض عہدۂ نبوت کی تصدیق کے واسطے مُعجزہ فرمانِ خداوندی ہے۔ کہ جسکے دیکھتے ہی قلوب اُسکی طرف اس طرح کھنچے آتے ہیں جسطرح لوہا مقناطیس کی طرف۔ اب جو شخص برخلاف مشاہدہ اس جذبِ مقناطیس کا انکار کرے وہ کج فہم ہی

نہیں بلکہ ضدّی ہے۔ سرکارِ دوعالم تاجدارِ کائنات فخرِ موجودات سیدالانبیاء محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیشمار معجزات اسی غرض و غایت کے ماتحت ظہور میں آئے۔ جنکا یہاں ذکر کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ اسلئے ہم اس امر کو ثابت کرنیکے بعد کہ معجزہ کیا ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے۔ آیندہ باب میں تبرکاً چند معجزات کا ذکر کر کے مفصل طور پر صرف ایک معجزہ جو حضور کی بزرگی و عظمت کا اہم نشان ہے۔ ذکر کرتے ہیں۔ جس سے جسمانیت کے معراج اور روحانیت کے معراج کی حقیقت عیاں ہو جائے۔ وباللہِ التوفیق ؎

معجزاتِ سیدِ انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ
لَكَانَ مَنْظَرُهُ يُنْبِيكَ بِالْخَبَرِ

قارئین سے یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ فقیر نے اس کتاب کے لکھنے میں اُن اہلِ اسلام کیلئے سعی کی ہے۔ جو سیدِ کائنات فخرِ موجودات افضل المرسلین۔ رحمۃ للعلمین میرے مولا و آقا احمدِ مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیح ایمان رکھتے ہوں اور آپکے تمام فضائل و معجزات کے انہی خوبیوں کیساتھ قائل ہوں۔ جن سے حضورِ پُر نور تشریف لائے۔ ہر وہ شخص جو نبوت کا منکر ہو اور معجزات میں طعنہ کرتا ہو وہ اسکا اہل نہیں کیونکہ یہ صدیقین و عاشقین کا حصہ ہے۔ مُلحد اسکی اصل کو نہیں پاسکتا اور متعرّض و نکتہ چین کا وہاں تک پہنچنا محال ہے۔ اہلِ محبت ہی اس سے نفع اُٹھائینگے جو سرورِ عالم کی دعوت پر بلاچون وچرا لبیک کہنے والے ہیں۔ اسکے پڑھنے سے انکے اعمالِ صالح میں زیادتی ہوگی اور عقائدِ حقّہ کی بنیاد لاجنب ہو جائیگی۔ جس میں وسوسہ کو گذر نہ ہوگا۔ تصدیق نبوتِ تامّہ کرکے اپنے ایمان پر اور ایمان کو زیادہ کرینگے۔ فقیر کا خیال ہے کہ اس باب میں سردارِ دوجہان کے بڑے بڑے معجزے اور مشہور نشانات بیان کرے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور کی بلندئ مراتب و اتمامِ نبوت پر دال ہوں نیز یہ امر بھی جاننے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے دلوں میں نورِ معرفت پیدا کرے۔ انکو اپنی ذات و صفات کا بغیر کسی واسطہ کے اگر چاہے تو عالم بنادے جیسا

کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اُنکی سُنت کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض اہلِ تفسیر خدا تعالیٰ جلّ وعلاشانہٗ کے اس قول میں۔ کہ کسی انسان کو جائز نہیں کہ اس سے بدون وحی کلام کرے۔ یہ ذکر کیا ہے۔ یہ بات جائز ہے کہ اُنکی طرف یہ تمام علوم کسی واسطہ اور ذریعہ سے پہنچادے اور یہ واسطہ یا تو انسان کے سوا ہو۔ جیسے فرشتے انبیاء علیہم السلام کیساتھ۔ یا انہیں کے ہم جنس ہو جیسے انبیاء علیہم السلام امتوں کیساتھ ہیں۔ اور اس امر کیلئے کوئی عقلی دلیل مانع نہیں۔ اور جب یہ جائز ہے اور محال نہیں کہ رسول وہ معجزات لائے ہیں۔ جو اُنکے صدق پر دلالت کرتے ہیں۔ تو اُنکی تصدیق ان سب امور میں جنکو وہ لائے ہیں واجب ہے۔ لہٰذا یہاں مختلف النوع چند معجزات اختصار کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے لکھے جاتے ہیں۔ وہ قادرِ مطلق توفیق اعمالِ صالحہ وعقیدتِ حقّہ رفیق فرمائے۔ آمین۔

۱۔ جامع بن شدّاد کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص جسکو طارق کہتے تھے اُس نے خبر دی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی شئے (جانور) ہے جسکو تم بیچتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ اونٹ ہے۔ فرمایا کتنے دام سے بیچو گے۔ ہم نے کہا اسقدر کھجوروں کے وسق سے (وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) تب آپ نے اُسکی مُہار پکڑ لی اور مدینہ کیطرف چلے آئے۔ ہم نے کہا کہ ہم نے ایک ایسے شخص کے پاس یہ اونٹ بیچا ہے۔ جسکو ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔ ہمارے ساتھ ایک مسافر عورت تھی۔ اُس نے کہا کہ میں اس اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں۔ میں نے اس مرد کا چہرہ بدر سا چہرہ دیکھا ہے۔ وہ تم سے دھوکا نہ کریگا۔ پھر جب ہم نے صبح کی تو ایک شخص کھجوریں لیکر آگیا اور کہنے لگا۔ کہ میں رسول اللہ کا ایلچی ہوں۔ تمہارے پاس آیا ہوں۔ وہ حکم فرماتے ہیں کہ یہ کھجوریں

کھاؤ اور انکو ناپ لو۔ حتیٰ کہ پورے دام کرلو۔ تب ہم نے انکو ناپ لیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا چہرۂ انور ہی صداقت کی دلیل تھا۔

ع۲ ابو عبیدہ نے ذکر کیا کہ ایک اعرابی نے ایک شخص سے سُنا کہ وہ یہ آیت پڑھ رہا ہے۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ یعنی آپ حکم کو کھلا کھلا سنائیں۔ تو اُس نے سجدہ کیا اور کہنے لگا کہ میں اُسکی فصاحت پر سجدہ کرتا ہوں۔ عتبہ بن ربیعہ نے جب قرآن سُنا تو کہا اے میری قوم تم جانتے ہو کہ میں نے کوئی چیز نہیں چھوڑی مگر اسکو جانتا ہے اور پڑھا ہے۔ واللہ میں نے ایسا کلام سُنا ہے کہ کبھی ایسا نہیں سُنا۔ نہ وہ شعر ہے۔ نہ وہ جادو ہے۔ نہ کہانت ہے۔

اس سے معلوم ہؤا کہ رسول اللہ کی کتاب ایسی فصیح ہے۔ جسکو بطریق معجزہ اہلِ زبان بھی سجدہ کرتے تھے۔

ع۳ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ ایک ٹکڑا تو پہاڑ پر تھا اور ایک اسکے ورے یا مقابل ہوگیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ رہو۔ یعنی دیکھ لو۔ مسروق نے روایت کیا کہ یہ واقعہ مکہ میں ہؤا اور زیادہ کیا یہ جملہ کہ کفارِ قریش نے کہا کہ تم پر ابن ابی کبشہ نے جادو کیا۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند پر جادو کیا ہے تو اسکا جادو اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ تمام زمین پر جادو کیا ہو۔ تم دوسرے شہروں کے آنیوالوں سے دریافت کرو۔ کہ کیا انہوں نے یہ دیکھا ہے پھر دوسرے شہروں کے لوگ آئے تو انہوں نے اُن سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے ایسا ہی دیکھا ہے۔

ع۴۔ اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے حال میں وحی نازل ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی گود میں آپ کا سرِ مبارک تھا۔ انہوں نے عصر کی نماز نہ پڑھی۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی کیا تم نے نماز پڑھی۔ عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ خداوندا بیشک وہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ اب آفتاب لوٹا دے۔ اسماء کہتی ہیں کہ میں نے اسکو غروب ہوتے دیکھا تھا۔ پھر میں نے اسکو دیکھا کہ وہ غروب کے بعد نکل آیا ہے اور پہاڑوں اور زمین پر ٹھہر گیا ہے اور یہ واقعہ خیبر کے قلعہ صہبا میں ہوا تھا۔

ع۵۔ یونس بن بکیر نے زیادۃ المغازی میں ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور آپ نے اپنی قوم کو قافلہ کی خبر اور اونٹوں کی علامت بتلائی تو کہنے لگے وہ کب آئیگا۔ آپ نے فرمایا کہ بدھ کے دن آئیگا۔ جب وہ دن آیا تو قریش انتظار کرنے لگے اور دن ختم ہونے لگا اور قافلہ نہ آیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تو ایک گھڑی دن بڑھایا گیا اور آفتاب ٹھہر گیا۔

ان تینوں روایتوں سے حضور علیہ السلام کے آسمانی تصرّف اور معجزات کے کمال کا پتہ چلتا ہے۔

ع۶۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے حال میں دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت آگیا ہے تو لوگوں نے پانی کی تلاش کی تو نہ پایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک برتن لایا گیا۔ جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ تب آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس برتن میں رکھا۔ اور

لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں۔ انس فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں مبارک میں سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے۔ لوگوں نے اس سے وضو کیا۔ یہانتک کہ اُنکے آخر نے بھی کر لیا۔ اس حدیث کو قتادہ نے بھی انسؓ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسا برتن لائے جس میں پانی تھوڑا سا تھا اور آپکی انگلیوں کو نہ ڈھانکتا تھا۔ قتادہ نے انسؓ سے کہا کہ تم کتنے لوگ تھے۔ کہا کہ تین سَو کی قدر تھے۔

ع۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چمڑے کا برتن تھا آپنے اس سے وضو فرمایا۔ لوگ آپکے سامنے ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہمارے پاس پانی نہیں۔ صرف وہی پانی ہے۔ جو حضور کے لوٹے میں ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک برتن میں ڈالا۔ اور آپکی انگلیوں مبارک سے پانی چشموں کیطرح نکلنے لگا۔ ہم پندرہ سَو آدمی تھے۔ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے وہ کافی تھا۔

ان دونوں روایتوں سے آپکی برکت سے پانی کا زیادہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

عث۔ امام مالک نے موطاء میں حضرت معاذ بن جبل سے غزوہ تبوک کے قصہ میں روایت کیا ہے کہ صحابہ چشمہ پر اُترے بحالیکہ وہ تھوڑا تھوڑا جاری تھا جیسے کہ جوتی کا تسمہ ہوتا ہے۔ انہوں نے اُسکو ایک برتن میں چلّو بھر بھر کر جمع کر لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا مُنہ اور ہاتھ دھویا۔ اور اس چشمہ میں ڈالدیا۔ تب اُس میں سے بہت سا پانی جاری ہوگیا۔ اور لوگوں نے پانی پی لیا حدیث ابن اسحاق میں معاذ فرماتے ہیں کہ پھر پانی اسقدر نکلا کہ اُسکی آواز بادلوں کے گرجنے کی سی تھی۔ پھر فرمایا کہ اگر تمہاری زندگی ہوئی۔ تو یہاں پر تم دیکھو گے کہ تمام

باغات بھرے ہونگے۔

اِس سے معلوم ہُوا کہ آپکے چھونے سے پانی میں برکت اور کثرت ہوجایا کرتی تھی۔

عہ۹ خندق کے دن میں حضرت جابر کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع جَو اور بکری کے ایک بچے میں ایک ہزار مرد کو کھانا کھلادیا۔ اور جابر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم بیشک سب نے کھالیا۔ یہانتک کہ اُسکو چھوڑدیا اور چلے آئے۔ بحالیکہ ہماری ہنڈیا ویسے ہی جوش مارتی تھی اور ہمارا آٹا پکایا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹے اور ہنڈیا میں لعابِ دہن مبارک ڈالا تھا۔

عنہ۱ ابوایوبؓ کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے کھانا اسقدر تیار کیا کہ دونوں کو کافی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اشراف انصار میں سے تیس۳۰ آدمیوں کو بلالو۔ پھر اُس نے بلالیا۔ پھر وہ کھا گئے۔ یہانتک کہ چھوڑ گئے۔ پھر فرمایا کہ ساٹھ۶۰ مردوں کو بلاؤ پھر ایسا ہی ہُوا۔ پھر فرمایا کہ ستر آدمیوں کو بلاؤ۔ سب نے کھالیا۔ یہاں تک کہ چھوڑدیا۔ اور ان میں سے جو نکلا اسلام لایا اور بیعت کی۔ ابوایوب فرماتے ہیں کہ میرے کھانے میں سے ایکسو اسی۱۸۰ مردوں نے کھایا۔

عہ۱۱ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ تعداد میں ایکسو تیس۱۳۰ آدمی تھے۔ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک صاع یعنی چار سیر آٹا گوندھا گیا تھا۔ اور ایک بکری ذبح کی گئی تھی۔ پھر اُسکی کلیجی بھونی گئی۔ راوی کہتا ہے خدا کی قسم کہ ان ایکسو تیس۱۳۰ مردوں میں سے ہر ایک نے اُسکو چھری

سے کاٹ لیا پھر اُسکے گوشت سے دو کڑے بھر لئے۔ پھر ہم سب نے کھایا۔ اور دونوں کڑوں میں بچ رہا۔ پھر میں نے اُسکو اونٹ پر لاد دیا۔ اسقدر بچ رہا تھا۔

اِن روایتوں سے آپکی برکت کے سبب تھوڑے کھانیکا زیادہ ہونا ملتا ہے۔

۱۲ اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو بھوک نے تنگ کیا۔ تو مجھسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا کچھ کھانے کی چیز ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں کچھ کھجوریں توشہ دان میں ہیں آپنے فرمایا کہ میرے پاس لا۔ پھر آپنے اُس میں ہاتھ ڈالا اور ایک مُٹھی نکالی اور اُسکو پھیلا دیا برکت کی دعا مانگی۔ پھر فرمایا کہ دسؔ مردوں کو بلاؤ۔ وہ کھا گئے۔ حتیٰ کہ اُنکا پیٹ بھر گیا پھر اسی طرح دسؔ آئے۔ حتیٰ کہ تمام لشکر کو کھلایا اور سب کے سب سیر ہو گئے۔ پھر فرمایا جو تو لایا تھا اُسکو لے اور اپنے ہاتھ کو ڈال کر نکال لیا کرو۔ اور اِس توشہ دان کو اُٹھانا نہیں۔ پھر میں نے اس سے زیادہ پر قبضہ کیا جتنا کہ میں لایا تھا میں نے اس میں سے کھایا اور کھلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کی زندگی کے دنوں میں یہانتک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ شہید ہوئے۔ پھر وہ فتنۂ عثمان میں مجھ سے لوٹ لیا گیا اور جاتا رہا۔

۱۳ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک اعرابی آپکے قریب آیا۔ آپنے فرمایا تم کہاں کا ارادہ رکھتے ہو کہا کہ میں اپنے گھر جاتا ہوں۔ فرمایا کہ کیا نیکی کیطرف آنا چاہتا ہے۔ عرض کیا وہ کیا ہے۔ فرمایا کہ اِس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے

اُسکا کوئی شریک نہیں۔ اور بیشک محمدؐ اُسکا بندہ اور رسول ہے۔ اُس نے کہا آپ کے
اِس کہنے کی کون تصدیق کرتا ہے۔ فرمایا کہ یہ ببول کا درخت۔ وہ جنگل کے کنارے پر
میں تھا۔ تب وہ درخت زمین چیرتا ہُوا آیا۔ حتیٰ کہ آپکے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے
اُس سے تین مرتبہ کلمۂ شہادت پڑھوایا۔ اور اُس نے ایسے ہی گواہی دی۔ جیسا
کہ آپنے فرمایا تھا۔ پھر وہ اپنے مکان کی جانب لوٹ گیا۔

ع۱۳ بریدہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے مُعجزہ طلب کیا تو آپنے اُس سے فرمایا کہ تم ہی اس درخت سے کہو کہ تجھ
کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔ کہا کہ درخت دائیں بائیں سامنے اور
پیچھے سے جُھکا۔ اُسکی جڑیں جو زمین میں گڑی ہوئی تھیں۔ کھوکھلی ہو گئیں۔ پھر وہ
زمین کو چیرتا ہُوا آیا۔ وہ اپنی شاخوں کو کھینچتا آتا تھا اور جلد آرہا تھا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ اسلام علیک یا رسول اللہ
اعرابی نے کہا کہ آپ اسکو حکم دیں کہ اپنے مقام کیطرف چلا جائے۔ چنانچہ وہ لوٹ
گیا۔ اور اُسکی جڑیں زمین میں پیوست ہو گئیں۔ اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ تب اعرابی
نے کہا آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ نے فرمایا اگر میں کسی
کو حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو البتہ عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے
کہا کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپکے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دوں تو اسکی آپ نے
اجازت دیدی۔

اِس حدیث سے حضور کے بلانے پر درختوں کا آنا اور نبوت کی گواہی
دینا۔ عورت کو خاوند کی عزت کرنا اور ہاتھ پاؤں کو کسی بزرگ کے بوسہ دینا ثابت ہوا

ع۱۵ جابر ابنِ عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ مسجد نبوی کھجور کے ستونوں
چھتی ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھا کرتے تو ایک ستون کیسا تھ کھڑے
ہوا کرتے تھے۔ جب آپکے لئے منبر بنایا گیا۔ تو ہم نے اس ستون سے ایسی رونے
کی آواز سُنی۔ جیسے کہ اونٹنی بچہ جننے کیوقت روتی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کی روایت
میں ہے کہ اسکے رونے سے مسجد میں شور مچ گیا۔ اُبّی کی روایت میں ہے کہ روتے
روتے پھٹ گیا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور اپنا ہاتھ مبارک
اس پر رکھا تو وہ چُپ ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمدیا تو وہ منبر کے
نیچے دفن کر دیا گیا۔ حدیث بریدہ میں ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمکو
اگر تو چاہے تو اُسی باغ میں جہاں تو اُگا تھا لگا دوں۔ جسمیں تیری شاخیں نکلینگی تیری
پرورش پوری ہو گی۔ تجھے نئے پتے اور پھل لگینگے۔ اور اگر تو چاہے تو میں تجھے
جنت میں گاڑدوں اور اس میں اولیاء اللہ تیرا پھل کھایا کرینگے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے اُسکا جواب کان لگا کر سُنا۔ اُس نے عرض کیا کہ آپ مجھے جنت میں
گاڑدیں۔ جہاں مجھ سے اولیاء اللہ پھل کھایا کریں۔ اور میں ایسے مکان میں ہونگا جہاں
پرانا نہیں ہونگا۔ اور اس جواب کو پاس والوں نے بھی سُنا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ میں نے بیشک یہ کر دیا۔

اس حدیث سے خشک لکڑی کا حضور کے عشق میں رونا۔ باتیں کرنا
اور جنت میں حضور کی طفیل پہنچنا آیا ہے۔

ع۱۶ جابر ابن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھکو سلام کیا کرتا تھا۔ بعض نے بیان کیا کہ وہ حجرِ

اسود ہے۔

عـ۷ا حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرائیل (علیہ السلام) میرے پاس پیغام رسالت لیکر آئے تو میں جس پتھر یا درخت پر گذرتا وہ السلام علیک یا رسول اللہ کہتا۔

عـ۱۸ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اُحد پہاڑ پر چڑھے تو اُس نے حرکت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اے اُحد ٹھہر جا۔ کیونکہ تجھ پر نبی۔ صدیق اور دو شہید ہیں۔

ان حدیثوں سے جمادات کا آپ سے کلام کرنا۔ تسبیح پڑھنا۔ صدیق اکبرؓ کی صداقت۔ اور عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کا ذکر ہے جس کا آپکو علم تھا۔

عـ۱۹ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ ناگاہ ایک اعرابی آیا۔ جس نے گوہ شکار کی تھی۔ اُس نے کہا کہ یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھکو لات وعزا کی قسم ہے۔ میں اس پر ایمان نہیں لاؤنگا مگر جب کہ یہ گوہ آپ پر ایمان لائے۔ اور اسکو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینکدیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو فرمایا کہ اے گوہ۔ اُس نے صاف لفظوں میں آپ کو جواب دیا جسکو تمام لوگوں نے سُن لیا کہ میں حاضر ہوں اے زینت ان لوگونکی جو قیامت کی طرف آنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم کسکی عبادت کرتے ہو۔ اُس

عرض کیا کہ اُس خدا کی کہ آسمان میں اسکا عرش ہے۔ زمین میں اُسکی حکومت ہے سمندر میں اُسکا راستہ ہے۔ جنت میں اسکی رحمت ہے۔ دوزخ میں اُسکا عذاب ہے آپ نے فرمایا کہ مَیں کون ہوں اُس نے عرض کیا کہ آپ رب العالمین کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ بیشک وہ شخص کامیاب ہوا۔ جس نے آپکی تصدیق کی اور وہ ناکام رہا جس نے آپکی تکذیب کی۔ تب وہ اعرابی مسلمان ہوگیا اور اسی طرح حدیث ابوسعیدؓ خدری میں بھیڑیے کے کلام کا مشہور قصہ ہے۔

عنہ۲۔ ابراہیمؒ بن حماد سے بسند روایت ہے کہ ایک گدھے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جبکہ اُسکو خیبر میں پایا تھا کلام کیا۔ آپنے اُسکو فرمایا تھا کہ تیرا کیا نام ہے اس نے کہا تھا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ پھر آپنے اُسکا نام یعفور رکھا۔ اور آپ اسکو اپنے اصحاب کے گھروں کیطرف روانہ فرمایا کرتے تھے تاکہ وہ اُنکو بلا لائے۔ تو وہ اُنکے دروازے اپنے سر سے کھٹکھٹایا کرتا تھا۔ اور انکو بلایا کرتا تھا۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور آپ دُنیا سے تشریف لے گئے تو وہ رنج وغم کے مارے کنوئیں میں گر کر مر گیا۔ اسی طرح ایک اونٹنی کی حدیث بھی آئی ہے۔ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص پر گواہی دی تھی کہ اس نے اس کو چرایا نہیں بلکہ وہ اس کی مِلک ہے۔

عنہ۲۱ ایک حدیث میں ہے کہ ایک سفر میں آپ نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنے گھوڑے سے فرمایا۔ کہ خدا تجھے برکت دے جب تک ہم نماز سے فارغ نہ ہوجائیں۔ جائیو مت۔ اور اسکو اپنا سترہ بنایا۔ اس نے اپنا کوئی عضو نہ ہلایا۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی۔

اِن تمام احادیث سے اور اُنکے علاوہ بیشمار حدیثیں ایسی ہیں۔ جن میں ہزار ہا معجزات کا ذکر ہے۔ جس سے کائنات کی تمام چیزوں کا گواہی دینا۔ مُردوں کا زندہ ہونا۔ شیر خوار بچوں کا کلام کرنا۔ بیماروں کا صحت پانا۔ غیوب پر آگاہ ہونا اور دیگر کرامات و برکات کا تذکرہ ہے۔ جس پر اکابرینِ اُمّت کا اجماع ہے۔ بخوفِ طوالت یہاں پر درج نہیں کی گئیں۔

ترجمہ آیتِ معراج شریف

بساطِ قربِ ایزدی ہے مقامِ سیدِ بطحا
کہ شاہد اس پہ ہے تفسیرِ سُبحان الذی اسریٰ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (ترجمہ لفظی)

پاک ہے وہ ذات (اللہ تعالیٰ) کی جس نے سیر کرائی یا لے گیا بندے اپنے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات کے بعض حصہ میں مسجد حرام کعبہ سے مسجد اقصیٰ بیت المقدس کو وہ کہ برکت دی ہم نے اُسکے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھلا دیں اسکو اپنی نشانیوں سے وہی خوب سُننے والا دیکھنے والا ہے۔ .... مختصر تشریح قابلِ فہم .....

واضح ہو کہ سُبحٰن میں اختلاف ہے کہ یہ لفظ عربی علم صرف کی راہ سے کیا صیغہ ہے بعض نے اسکو علم بھی گمان کیا ہے اور وجہ اسکی اَلَّذِیْ کی جانب صفت کی نظر کرکے ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ سُبحٰن بابِ تفعیل کا مصدر بھی آتا ہے۔ اور اسم مصدر بھی ہوتا ہے اور ہر حال میں وہ علم جنبی واسطے تنزیہ و تقدس کے ہے اور مراد اس سے ہر نقص و برائی سے اظہار پاکیزگی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ نہیں کہ پاک کرنے سے اس میں پاکیزگی ہو۔ شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ جن کلمات سے بجلد سے تسبیح واقع ہوتی ہے۔ ان کا علم ہے۔ بالجملہ یہ لفظ کمال پاکیزگی بدرجۂ انتہا پر دلالت کرنے سے فقط اللہ تعالیٰ کے واسطے مخصوص ہو گیا ہے۔ تو ترجمہ یوں

ہوا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو۔ اسریٰ اول شب یا شب کی رفتار کو کہتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ اسریٰ کے معنے رات میں لیجانے کے ہیں۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسریٰ بمعنے سیّر لیا ہے۔ جیسا کہ پہلے ترجمہ میں ذکر ہوا۔ بِعَبْدِہٖ۔ علماء اُمت کا اس میں اجماع ہے اور کسی فرقہ یا فرد کا اختلاف نہیں کہ اِس مقام پر عبد سے مراد سیدالمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اہلِ علم نے فرمایا کہ عبودیت اعلیٰ مقام ہے کیونکہ اگر عبد سے زیادہ مکرم کوئی اسم ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس مقام پر وہ ارشاد فرماتا۔ پس رسول و نبی سے زیادہ اشرف یہاں عبد کو فرمایا۔ اہل الحق یعنی اولیاء اللہ و مشائخین نے اسپر بالاتفاق تصریح فرمائی ہے کہ الوہیت و ربوبیت میں یکتا ذات اللہ واحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اور عبودیت میں فرد ذات بابرکات سید کائنات محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اور آپ سے بعد تمام انبیاء ہیں۔ پس انبیاء میں سے بھی جسکی عبودیت میں باقی سب سے کم نقص ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے درجہ پر ہے اور ظاہراً وہ بقول اہل اللہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اسی طرح درجہ بدرجہ مراتب انبیاء ہیں۔ مشائخین فرماتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک ولی عبودیت میں بقدم آنحضرت سردارِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ اسکو قطب و غوث پکارا جاتا ہے اور باقی اولیاء اللہ دیگر انبیاء کرام علیہم التحیہ والسلام کے قدم پر ہوتے ہیں۔ وہ تمام تر اس ایک غوث کے تابع ہوتے ہیں۔ بالجملہ مرتبہ عبودیت نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اور اسی لفظ سے آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا لیلۃ المعراج میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک مع الجسد جانا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ عبد روح اور جسم کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور دو نوں

کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔ اور مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں پر جانا۔ گوناگوں عجائباتِ آیات الٰہی کا آنکھوں سے ملاحظہ فرمانا۔ سدرۃ المنتہیٰ میں پہنچنا اس امر کو واضح کرتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شبِ معراج جو کچھ دیکھا ظاہری آنکھ سے دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہؓ تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین، اور صوفیاء کرام کا یہی مذہب ہے کہ معراج جسم اطہر و الطف کیساتھ ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:

وَکَانَ ھٰذَہٖ الاسراء بجسمہٖ الشریف ولو کان الاسراء بروحہٖ صلی اللہ علیہ وسلم وَیکون رؤیا رآھا یریٰ النائم فی نومہٖ ما انکرہٗ احد من قریش ولا نازعہٗ فیہ وانما انکروا علیہ کونہٗ اعلمھم ان الاسراء کان بجسمہ الشریف فی تلک المواطن التی دخلھا کلھا۔

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج شریف جسم کیساتھ ہوا ہے۔ اگر روح کے ساتھ ہوتا یا خواب اور نیند میں ہوتا تو کفار اس سے انکار نہ کرتے اور نہ جھگڑا کرتے یہ جھگڑا اسلئے کیا گیا تھا کہ آپ نے اُنکو جسمی معراج کی خبر دی تھی۔ اور ان مقامات کی خبر دی تھی۔ جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے تھے۔ آئندہ ہم انشاءاللہ اس کی وضاحت کرینگے۔ وباللہ التوفیق۔

لَیۡلًا۔ (رات میں) بطریقِ تجرید یا توضیح ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ اپنے پاؤں سے چلا، یا مُنہ سے بات کرو، حالانکہ چلنا ہمیشہ پاؤں سے ہی ہوتا ہے اور بات کا کرنا مُنہ سے۔ لَیۡلًا کو نکرہ فرمایا کہ اس سے تقلیل کا فائدہ پہنچے۔ یعنی فرمایا کہ پوری رات بھر نہیں بلکہ رات کی تھوڑی مدت میں یہ واقع ہُوا۔ کوئی اسکو تمام رات کی سیر نہ سمجھ لے۔ اور صاحب کشاف نے اسکی تائید میں قرأت بعض سلف کی پیش کی ہے جنہوں نے لَیۡلًا کی بجائے مِنَ اللَّیۡل پڑھا۔ یعنی رات کے تھوڑے حصہ میں

واقع معراج ہُوا۔ بہرحال معنے یہ ہونگے کہ پاک ہے وہ خدا ہر نقص و برائی سے جو اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے بعض حصہ میں لیگیا مِن المسجد الحرام مسجدِ حرام یعنی خانہ کعبہ اور اُسکے اردگرد کی جگہ (جو حرم میں داخل ہے) سے اِلی المَسْجِدِ الاَقصیٰ مسجدِ اقصیٰ تک جسے بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ یہ انبیائے کرام سابقین علیہم السلام کا قبلہ ہے۔ اہلِ کتاب اسکو ہیکل کہتے ہیں۔ یہ مسجد شہر یروشلم ملکِ فلسطین میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً پانچسو برس بعد تعمیر کی تھی۔ جس پر بنی اسرائیل کی شرارتوں سے کئی بار صدمات آئے۔ اور گرائی گئی۔ پھر بنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ معدلت مہد میں شہزادہ روم طیطس کی گرائی ہوئی مسجد کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ مسجد اسی جگہ کا نام ہے جہاں ایک مرتبہ عمارت عبادتگاہ تعمیر ہو چکی تھی۔ عمارت کا نام مسجد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عمارت بدلتی رہتی ہے۔ مسجد نہیں بدلتی۔ مگر اسکے پاس پاس عیسائیوں نے مذہبی عمارات تعمیر کر رکھی تھیں اس زمانہ میں انکو بھی بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ کہتے تھے۔ جنکے نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی دریافت پر بیان فرمائے تھے۔ بعض اہلِ لغت نے اقصیٰ کے معنے آگے سے آگے کے بھی کئے ہیں۔ جس سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی و انتہائے سفر معلوم ہوتی ہے۔ یعنی حضور ایسے مقام پر تشریف لے گئے جو آگے سے آگے تھا۔ جہاں تک رب العزت نے چاہا اور جسکا ادراک محال ہے۔ پھر مسجدِ اقصیٰ کی تعریف بیان فرمائی گئی الذی بَارَکْنَا حَوْلَہٗ۔ جسکے گرد ہم نے برکت دی ہے۔ اس برکت کی پوری کیفیت تو علمِ الٰہی عزّ و جل میں ہے۔ ظاہری برکات کی نسبت تو خازن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ دریاؤں، نہروں، باغوں سے

تمام علاقہ کا سرسبز و شاداب ہونا ہے اور باطنی برکات یہ ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ ہونیکے علاوہ مزارات انبیاء و صالحین سے بھی پُر ہے اور اسی طرف قیامت کو خلایق کا حشر ہوگا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ مبارک ہو شام کو ستر ہزار فرشتے ہر روز اس پر سایہ کرتے ہیں۔ اور اسمیں نماز کا ثواب پچاس ہزار نماز کا ہے جیسے پچاس ہزار نماز کا ثواب مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی میں ہے۔ پھر اسریٰ کے فوائد میں سے بعض پر تنبیہ فرمائی۔ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا۔ تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی نشانیاں دکھلائیں۔ لیکن ہماری قدرت و عظمت میں وہ نشانیاں بھی تھوڑی ہیں۔ اسلئے مِنْ تبعیضیہ سے فرمایا کہ بعض نشانیاں دکھلائیں اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ بیشک وہی سمیع اور بصیر ہے۔ بعض نے کہا کہ ضمیر ہُوَ اللہ تعالیٰ کیطرف ہے۔ اور شیخ عکبری نے تبیان میں نقل کیا ہے کہ ضمیر واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور یہ مستحسن ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سننے والا اور دیکھنے والا ہونا مدح اور لیاقت معراج پر دال ہے۔ یعنی ایسے بندے کو یہ عروج دیا جسکو اپنی قدرت کاملہ سے اس لایق فرمایا کہ وہ سمیع سماع خطاب کے لایق تھا۔ اور آیات الٰہی کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے والا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرا کوئی بندہ اس مرتبہ کو نہ پاسکا اور آپکی نبوت تامہ کیلئے جو تمام زمانہ کیلئے ہو۔ ایسا ہی ہونا ضروری تھا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ سمیع منکروں کے بیہودہ سوالات پر تہدید کیلئے آیا اور بصیر اس عجیب ترین سیر میں حضرت کی نگہبانی کیلئے آیا ہے۔ یعنی جسقدر سفر تھا وہ اللہ کی نگہبانی میں تھا۔ جیسے مسافر کو کہا جاتا ہے اللہ تیرا نگہبان ہے۔ ایسے ہی یہاں اسم بصیر آیا ہے کہ

لیلۃ الاسراء میں مقام روانگی اور انتخاب سواری

مسیح بر فلکِ چارمیں قرار گرفت — کلیم بر جبلِ طور اعتبار گرفت
غلام ہمتِ آنم کہ فوقِ کون و مکاں — بُراقِ عزم جہانید و دستِ یار گرفت

جس قادر و قیوم نے آسمانوں کو بے ستون اور زمین کو بے میخ قیام بخشا۔ جس نے قطرۂ آب کو اشرف المخلوقات پیدا کیا۔ جس نے خون کو پستانِ مادر میں شیر شیرین بنایا۔ جس نے پشہ سے لشکرِ نمرود کو ہلاک کیا۔ جس نے طیر ابابیل سے اصحابِ فیل کو مروایا۔ جس نے کشتیٔ نوح کو طوفان سے نجات دی، جس نے دریائے نیل سے موسیٰ کو پار لگایا اور فرعون کو غرق کیا۔ جس نے بھڑکتی آگ کو خلیل پر گلزار کیا۔ جس نے یونس کو بطنِ حوت میں سمندر کی سیر کرائی۔ جس نے شاہ سکندر ذوالقرنین کو مشرق و مغرب کی زمین دکھائی۔ جس نے تختِ سلیمان کو ہوا میں معلّق کیا، جس نے داؤد کے ہاتھ میں لوہے کو موم کر دیا جس نے موسیٰ کو کلیم بنا کر جبلِ طور پر بلایا جس نے عیسیٰ کو چرخ چہارم پر اُٹھایا۔ جس نے بلعم بن باعور کو نارِ دوزخ میں جلایا اور ساحرانِ فرعون کو معہ آسیہ کے جنت میں پہنچایا وہی ربِ سبحان ذاتِ پاک معبود اپنے بندے مقبول و محبوب بندے ممتاز و مختار بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض حصہ رات میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ اور سدرہ سے عرشِ اعظم تک اور وہاں سے لامکاں تک مع الجسم لیگیا۔ سوتے کو جگا کر لیگیا۔ شان و احترام سے لیگیا۔ خانہ اُمِ ہانی سے لیگیا۔ بیت الحرام سے لیگیا۔ شبِ دو شنبہ میں ستائیسویں رجب شریف کو قربِ خاص میں لیگیا۔ اور قرآن شاہد ہے کہ سرکار کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا

رب عالم بالا پر لیگیا۔ سُبحَانَ الَّذِیٓ اَسرٰی بِعَبدِہٖ لَیلًا مِّنَ المَسجِدِ الحَرَامِ اِلَی المَسجِدِ الاَقصٰی الایۃ
صاحبِ معراج کو بلندی بے انتہا پر چڑھانے کیلئے۔ اور جمیع انبیاء کرام علیہم السلام سے رتبہ بڑھانیکے لئے۔ انتہائی قرب عطا فرمانے کیلئے۔ سوارِ عرب کی سواری سے تمنائے بُراق بر لانے کیلئے۔ قلبِ اطہر سے خوفِ قیامت اُٹھانیکے لئے۔ محبوب کو خزائنِ رحمت دکھانیکے لئے۔ امتِ مرحومہ کی مغفرت فرمانیکے لئے۔ عرشِ اعظم کو نعلین محبوب کی برکت دلانیکے لئے۔ بیت المقدس میں امامتِ انبیاء کرانیکے لئے۔ بیت المعمور میں امام الملائکہ بنانیکے لئے۔ حجابِ خاص میں بلاواسطہ وحی رازِ ما کان و ما یکون کا عالم بنانیکے لئے۔ قدرتی نشانات کا مشاہدہ اور اپنا دیدار بے پردہ دکھانیکے لئے مکی و مدنی تاجدار کو آمادہ بسفرِ معراج فرمایا گیا۔ لنریہ من اٰیاتنا انہ ھو السمیع البصیرہ۔ رباعی۔

مبارک تجھے یہ سفر جانیوالے　　خدا سے مقامِ دنیٰ پانیوالے
سنانیلگے اُدن مِنّی کا مژدہ تو　　جو تھے لن ترانی کے پہنچانیوالے

کارکنانِ قضا و قدر بہت سی قوموں کی قسمت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ مگر ایک بادیہ نشین قوم پہاڑوں کے دامن میں دبی پڑی تھی۔ انہی پہاڑوں کے غار سے آتشین شریعت کا ایک شرارہ اوڑا اور دفعتہً خرمنِ جہل و ضلالت پر برقِ خاطف بنکر گرا۔ اس مردہ قوم کی سوئی ہوئی تقدیر نے مدت کے بعد ایک خاص رات میں کروٹ بدلی جسکو لیلتہ الاسریٰ یا لیلتہ المعراج کہا گیا ہے۔ کیونکہ اسی رات میں اسکے کارنامۂ عمل کو اُسکے ہادی کے ذریعہ سے معین کر دیا گیا تھا۔ وہ توقیر و منزلت کی رات۔ محبّ و محبوب کے وصال کی رات۔ راحت نمارات۔ عجیب و غریب انداز سے عالم میں رونما ہوئی

آؤ غلامانِ محبوب الٰہی کو مکہ کی سیر کرائیں۔

بہت دیر ہوگئی کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے۔ نصف شب ہونیکو آئی۔ اندھیرا اپنا ایسا قسلط کئے ہوئے ہے کہ کسی باخدا گلیم پوش کے مراقب ہونیکا شبہہ ہوتا ہے دنیا میں ہر ایک محوِ خواب ہے۔ شہر مکہ میں جو پہلا عبادتخانہ اور قبلۂ عالم ہے کے بیت محترم کے ایک پہلو میں اُم ہانی بنت ابی طالب ہمشیرۂ محترمہ حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہٗ کا مکان آباد ہے۔ اسی مکان میں آج آمنہ کے لعل محبوبِ ذوالجلال بعد نمازِ عشاء آکر استراحت فرما ہوئے ہیں۔ آنکھیں محوِ خواب ہیں۔ مگر دل یادِ الٰہی میں بیدار ہے اِدھر یہ سماں ہے اُدھر سدرۃ المنتہٰی پر سید الملائکۃ المقربین حضرت روح الامین جبرائیل علیہ السلام کو پیامِ رب الانام پہنچتا ہے کہ میکائیل کو کہدو تقسیم روزی کا پیمانہ ہاتھ سے رکھدے۔ عزرائیل قبضِ ارواح سے ٹھہر جائے۔ اسرافیل کارِ صُور ترک کرے فراشانِ نور و ضیاء کو خبر دو کہ نقارۂ جود و عطا اطراف و اقطار میں بجادیں۔ رضوان کو حکم دو کہ جنتوں کو سجادیں۔ داروغۂ جہنم درکاتِ دوزخ کو اقفالِ حلم و تسکین سے مقفل کردے۔ بحار تلاطم سے اور ریاح و افلاک سیر و گردش سے باز رہیں۔ تمام ملائکہ استقبال کو آمادہ ہوں۔ حورانِ جنت آراستہ اور غلمان پیراستہ ہو جائیں زمین پر اہلِ قبور سے عذاب دور ہو جائے اور تا حکم ثانی آفتاب نہ نکلنے پائے جبرائیل علیہ السلام اس حکم سے متحیر و دنگ رہ جاتے ہیں۔ راز سمجھ میں نہ آیا۔ التجا کی الٰہی کیا قیامت آگئی ہے۔ فرمایا نہیں۔ ساعتِ وصلِ حبیب قریب ہے۔ آج کی رات اپنے محبوب خیر البشر علیہ السلام کو اپنے وصال و قرب سے مشرف فرماؤنگا۔ تم ستر ہزار فرشتے اپنے ہمراہ لو۔ اور جنتوں کے بُراقوں سے ایک بُراق چُن کر لے جاؤ۔ اور ہمارے لاڈلے

محبوب کو اس پر سوار کر کے لے آؤ۔ جبرائیلِ امین حکم پاتے ہی مرغزارِ جنت میں پہنچے۔ ایک بُراق برق رفتار کو دیکھا گوشۂ مرغزار میں سر جھکائے کھڑا ہے اور مغموم ہے۔ سردار ملائکہ نے قریب ہو کر وجہ غم دریافت فرمائی۔ جواب ملا۔ ہزار ہا سال سے نامِ نامی سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُنا تھا۔ اُسی وقت سے حراساں ہوں کہ معراج کی رات اُنکی سواری کیلئے میرا انتخاب کسطرح عمل میں آئیگا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اُسی بُراق کو کہ جسکے سینہ میں عشقِ محمدی کا داغ تھا اپنے ہمراہ لیا اور عازمِ بطحا ہوئے خاصانِ خدا نے سچ کہا ہے کہ عاشقول کی کامیابی کا راز درد و سوز ہی میں ہوتا ہے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے درد و سوز ہی سے صداقت کا سہرا لیا۔ علیؓ المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ نے درد و سوز ہی سے تاجِ تکریم کو پایا۔ بلال رضی اللہ عنہٗ درد و سوز ہی سے پروانۂ شمعِ رسالت کہلائے۔ ستونِ حنانہ سوز ہی سے سینۂ اطہر نبوی سے جا لپٹا۔ الغرض روح الامین علیہ السلام بحکم خالقِ الکل جلشانہٗ فوجِ ملائکہ ہمراہ لیکر مع بُراق مکہ میں آئے۔ درِ حجرۂ اُم ہانی بنتِ ابی طالب کو بند پایا جہاں حضور استراحت فرما تھے۔ بُراق کو وہیں چھوڑا اور خود حجرہ کی چھت کے ذریعہ اندر داخل ہوئے دیکھا تاجدارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوابِ ناز میں ہیں۔ دفعتہً جگانا خلافِ ادب جانا اور حضور علیہ السلام کے پائے مبارک کے تلوؤں سے اپنی آنکھیں ملنے لگے۔ آپ بیدار ہو کر نظر فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام محوِ عقیدت و نیاز ہیں اور عرض کر رہے ہیں۔ شعر ؎

اے رسولِ عربی شافعِ محشر جاگو — آیا جبرائیل ہے لینے کو پیمبر جاگو
صدقے اِن نرگسی آنکھوں کے گُلِ تر جاگو — بخت پر آپ کے قربان سکندر جاگو

جاگو جاگو میرے آقا میرے سرور جاگو
جاگو محبوبِ خدا ساقیٔ کوثر جاگو

حضور نے التفات فرمائی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وصال ربّ ذوالجلال کی خوشخبری سُنائی اور عرض کیا۔ یا رحمۃ للعلمین اِن اللہ تبارک وتعالیٰ یقرئک السلام ویقول زُرنی فانی مشتاق لیک اور بیت حرم میں رونق افروز ہونیکی التجا کی۔ حضور نے قبول فرمایا اور قدمِ ناز بجانب کعبہ مکرمہ اُٹھایا۔ حضرت روح الامین آپ کو حطیم میں لائے۔ اور چوتھی بار حضور کا شقِ صدر کیا۔ تین مرتبہ اس سے پہلے شق صدر ہو چکا تھا۔ جسکو محققین ومحدثین نے ذکر فرمایا ہے اور شق صدر دوسری مرتبہ کا قصہ حلیمہ سعدیہ یوں بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بھائی رضاعی تھے۔ یعنی حلیمہ کے دو بیٹے تھے۔ وہ ہر روز جنگل میں بکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔ جب آنحضرت تین برس کے ہوئے تو مجھے فرمایا کہ اے امّاں میں اپنے بھائیوں کو نہیں دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا تجھ پر اماں قربان ہو۔ تیرے بھائی دن میں بکریاں چرایا کرتے ہیں۔ فرمایا پھر مجھے انکے ساتھ بھیجا کرو۔ میں نے دل شکنی گوارا نہ کرتے ہوئے کہا کہ کل انکے ساتھ کردونگی۔ دوسرے دن علی الصباح میں نے کنگھی کر کے سرمہ لگا کر کپڑے پہنا دیئے اور نظر بد دور کرنیکے خیال سے جزع یمانی کا گلوبند گردن میں ڈالدیا۔ جسکو اُسی وقت آپ نے نوچ کر پھینکدیا۔ اور فرمایا کہ میرا حافظ میرے ساتھ ہے۔ پھر میں نے اُسکے بھائیوں کو وصیت کی۔ اور فرزند محبوب کو اُنکے ساتھ روانہ کر دیا۔ لیکن میرا دل مطمئن نہ ہُوا۔ ہنوز دوپہر نہیں ہوئی تھی کہ میرا لڑکا زبیر ہانپتا کانپتا آیا۔ پسینہ میں شرابور ہو کر اُس نے فریاد کی کہ اے اماں جلدی محمدؐ کی خبر لے۔ مجھے امید نہیں تو اُسے زندہ پاوے۔ میں نے بدحواس ہو کر فریاد کی اور قبیلہ بنی سعد میں سے جو لوگ موجود تھے۔ معہ چند عورتوں کے چراگاہ کیطرف دوڑے میرے شوہر نے زبیر سے حال پوچھا

اُس نے کہا کہ یکایک دو مرد ظاہر ہوئے۔ اور محمدؐ کو اُٹھا کر پہاڑ پر لیگئے اور سینہ چاک کرڈالا۔ میں اُنکو اسی حال میں چھوڑ آیا تھا۔ اور یہ دونو مرد ہوا سے اُترے تھے۔ حلیمہ کے شوہر کو گمان ہوا کہ کسی دشمن قبیلہ کے لوگوں نے اسکو یہ گزند پہنچائی ہے۔ بہر حال افتاں وخیزاں وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ آپ پہاڑ پر سراسیمہ بیٹھے ہیں۔ رنگ ذرا زردی مائل ہے اور بخیریت ہیں۔ حلیمہ کے شوہر نے فوراً گود میں لے لیا۔ جب دلوں نے قرار پکڑا تو ہم نے پوچھا بیٹا کیا ہوا تھا۔ فرمایا کہ ہوا میں دو باز سفید اڑتے نظر آئے ایک نے کہا کہ وہ یہی ہے۔ دوسرے نے کہا ہاں یہی ہے۔ پھر وہ دونوں دو مردوں کی شکل اُترے۔ ایک کے ہاتھ میں آب تازہ کی زرین صراحی وطشت زمرد تھا۔ مجھے یہاں لاکر چت لٹایا اور حلق سے ناف تک چیر دیا۔ اور تمام اندر کو دھویا۔ دوسرے نے میرا دل نکالکر چاک کر کے اس میں سے سیاہ نقطہ خون آلود نکالکر پھینکدیا اور اعضاء واحشاء اور دل کو غسل دیکر اپنے اپنے مقام پر رکھدیا۔ پھر میرے دلکو ایسی چیز سے بھرا کہ اس سے بہتر میں نے نہیں دیکھی اور جوف میں ایسی چیز رکھی کہ اُس سے زیادہ نرم وخوشبودار کوئی چیز میں نے نہیں پائی۔ انہوں نے یہ سب کام کیا لیکن مجھے کچھ درد وغیرہ محسوس نہیں ہوا۔ اور نہ کوئی قطرۂ خون نکلا ہے۔ پھر سب برابر کر کے سی دیا گیا۔ القصہ حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم لوگ اُسوقت آپ کو گود میں لئے ہوئے گھر لائے۔ اور سب کو اس واقعہ سے حیرت دامنگیر تھی۔ میرا گھر آپکی خوشبو سے مہک رہا تھا جب ہم گھر آئے تو بنی سعد میں سے ایک جماعت نے کہا کہ اس فرزند پر جن کا اثر ہوگیا ہے۔ کسی کاہن کو دکھلانا چاہیئے۔ لیکن آپ نے خود ہی فرمایا کہ تم لوگ کس خیال میں ہو میں بالکل صحیح وسالم ہوں۔ تمہارا خیال غلط ہے۔ مجھے کوئی خلل نہیں۔ مگر بچہ کی بات

کا اعتبار نہ کرتے ہوئے ایک مشہور کاہن کے پاس لے گئے۔ ہم نے حال کہنا چاہا تو اُس نے کہا کہ اس بچہ کو گود سے اُتار دو۔ یہ خود بیان کریگا۔ جب آپ نے صورت حال بیان کی اور اُس کاہن نے سُنا۔ تو جلدی سے آپکو لپیٹ گیا۔ اور چلایا کہ اے قوم اسکو قتل کردو اور مجھے بھی اسکے ساتھ قتل کردو۔ قسم ہے لات وہُبل کی کہ اگر یہ بڑا ہوگا تو تمہارے عقلمندوں کو احمق بنائیگا اور تمہارا دین مٹائیگا۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ جیسے ہی اُس نے یہ کلمہ کہا۔ میں نے اُسکا ہاتھ مروڑ کر آپ کو اس سے چھڑا لیا۔ اور کہا کہ کیا تو دیوانہ ہوگیا ہے جو بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے۔ تو اپنی خبیث جان کا قاتل کوئی اور تلاش کرلے۔ ہم لوگ اس فرزند کے حق میں ہرگز یہ خیال نہ کرینگے۔ اور ہم وہاں سے آپکو لیکر واپس چلے آئے۔ لیکن میرے شوہر نے اور دوسرے اقارب نے کہا کہ یہ معاملہ پیچیدہ ہوگیا ہے اور ہم لوگ اُنکی ابتدائے ولادت کا حال بھی سُن چکے ہیں کہ عرب کے یہودی اس فرزند کی ولادت سے غمناک ہیں کہ یہ ہمارا قاتل ہوگا۔ اب یہی مصلحت ہے کہ رنج مفارقت گوارا کرکے انکو صحیح وسلامت عبدالمطلب کے پاس پہنچادو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ غم ہماری قسمت میں عمر بھر کا داغ ہوجائے۔ جب روانگی کا عزم مصمم ہوچکا تو حلیمہ فرماتی ہیں کہ رات ہی کو ہاتف نے غیب سے آواز دی کہ اب خیر وبرکت وامن وامان دیارِ بنی سعد سے رخصت ہوتے ہیں۔ بطحا ومکہ کو مبارک ہو کہ خیر البشر وہاں مقیم ہونگے۔ اسوقت اہلِ حرم حوادث زمانہ سے محفوظ ہونگے۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ صبح مرکب پر سوار ہوکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے بٹھالیا اور دل مضبوط کرکے روانہ ہوگئی۔ راستہ میں اطراف وجوانب سے ہولناک آوازیں سُننے میں آتیں۔ اسلئے میں ایک لمحہ بھی غافل نہ ہوئی۔ یہانتک کہ مع الخیر مکہ کی سرزمین میں پہنچی۔ وہاں برائے ضرورت اُتری۔ اور اس گوہر گرانمایہ کو بھی اصلاح شان

کیلئے اُتار لیا۔ ایک لحظہ گذرا ہوگا کہ مجھے ایک ابرِ سفید اُترتا نظر آیا۔ اور آوازیں سُننے میں آئیں۔ میں نے قضائے حاجت سے جلد فراغت کی اور ہر چند اطراف واقطار میں نظر ڈالی۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا۔ اسوقت میرے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی۔ مَیں بے اختیار رونے پیٹنے لگی۔ میری یہ حالت تھی کہ نہ میں وہاں ٹھہر سکتی تھی اور نہ مَیں مکہ میں داخل ہوسکتی تھی کہ اتنے میں ایک پیر مرد میرے سامنے آیا۔ اُس نے میرا حال پوچھا۔ اور میں نے اُس سے بیان کیا اور کہا کہ مجھے ربّ ابراہیم کی قسم ہے اگر میرا فرزند نہ ملا تو میں یہاں جان دیدونگی۔ وہ بوڑھا کہنے لگا کہ ہمارے داتا ہُبل کے پاس چل وہ چاہے تو واپس کردے۔ اور مجھے وہاں لے گیا۔ سجدہ وعاجزی کے بعد کہنے لگا۔ اے ہمارے معبود اس عورت کا فرزند محمدؐ نامی ایک گم ہوگیا ہے۔ اگر رحم کرو تو اسکا فرزند اسکو واپس کردو۔ پیر مرد نے ابھی اپنا کلام ختم نہیں کیا تھا کہ ہبل اوندھا گرا اور اُسکے خول میں سے ایک آواز نکلی کہ مجھے اسکی شان سے کیا تعلق ہے وہ ہمیں ذلیل ورسوا کریگا۔ اور ذبح اکبر یعنی جہاد اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسکو اسکے معبود سے مانگو۔ یہ حالت دیکھکر وہ بوڑھا وہاں سے نکلا اور مجھے کہنے لگا۔ واللہ ایسا حال میں نے کبھی نہیں دیکھا بیشک تیرا فرزند شان عظیم رکھتا ہے۔ اتنے میں ہاتف غیب نے آواز دی کہ محمدؐ وادی تہامہ میں ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ مایوس ہوکر حلیمہ نے عبدالمطلب سے کہا اور وہ مع قریش آئے۔ تیسری روایت میں ہے کہ ڈھونڈ کر ابوجہل اپنے اونٹ پر ساتھ لایا تھا۔ چوتھی روایت میں مسعود ثقفی اور عمرو بن نوفل کا نام ہے۔ مفسرین کے نزدیک توجیہ یہ ہے کہ عبدالمطلب بھی روانہ ہوئے۔ اور ثقفی و ابن نوفل کچھ دور آگے

تھے۔ اور ابوجہل اسطرف سے آتا تھا۔ اُس نے آپکو دیکھا کہ درخت سے کھیلتے ہیں۔ نام پوچھکر اپنی ردیف میں بٹھالیا ولیکن اونٹنی نے چلنے سے انکار کیا ہرچند کوشش کی مگر اونٹنی نے سرکشی سے کام کیا۔ ابوجہل نے خوف کھاکر آپ کو آگے بٹھالیا۔ تو اونٹنی فوراً کھڑی ہوئی اور چلی۔ راستے میں ابن نوفل و ثقفی مل گئے انہوں نے اس امر کو آزمایا۔ تو انکی سواریوں نے بھی اُسوقت تک قدم نہ اُٹھایا۔ جب تک آپ کو آگے نہ بٹھایا گیا۔ پھر کچھ دور چلکر انہوں نے عبدالمطلب کو پایا۔ اور آپ کو انکے حوالہ کیا۔ عبدالمطلب نے حلیمہ کو تسکین دینے کی غرض سے اُسکے حوالے کیا اور آپ اپنی والدہ بی بی آمنہ کے گھر لائے گئے۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت بی بی آمنہ سے شق صدر کا حیرتناک قصہ بیان کیا اور کہا کہ اسی واقعہ کیوجہ سے میں انکو لائی ہوں۔ اور اس جدائی پر صبر کرتی ہوں۔ اسوقت سے بعد پھر حلیمہ کو بیجانیکی جرأت نہیں ہوئی۔ ولیکن اکثر اوقات آیا جایا کرتی تھیں۔ ان دنوں آپ کی عمر مبارک کا چوتھا سال شروع تھا۔ اور یہ دوسری مرتبہ شق صدر تھا۔ تیسری مرتبہ قریب بلوغ ہوا اور چوتھی مرتبہ معراج شریف کی رات ہُوا۔ جبکہ آپ کی عمر مبارک اکیاون[۵۱] برس آٹھ ماہ بیس[۲۰] روز کی تھی۔ اور دوشنبہ کی رات ۲۷ رجب المرجب کو بعثت کے بارہ سال بعد فلکی سیاحت اور عالم علوی کے عجائبات کی سیر کیلئے تشریف لیگئے۔

الغرض جبرائیل علیہ السلام نے آپکے سینۂ بے کینہ کو بعد ادائیگی نوافل اسفل بطن تک چاک کیا۔ اور قلب مبارک نکالکر ایک سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا۔ اور پھر اسکو نور و حکمت سے بھر کر اسکی اصلی جگہ رکھکر درست فرمادیا

جب آپ اس شانِ زیبائی سے تیار ہو گئے۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے مبارک باد دی اور عرض کیا آج کی رات وہ مبارک رات ہے کہ خود رب العزت جلشانہٗ نے آپ کو طلب فرمایا ہے اور ملکوت السموٰت والارض کو حکم دیا ہے کہ حضور پُر نور کے استقبال اور خیر مقدم کی تیاری کریں۔ آج آپکی خاطر جنت کو آراستہ کیا گیا ہے۔ آسمانوں کو پوری آرائش وتزئین کیساتھ زینت دی گئی ہے اور عالم بالا اسوقت سراپا انتظار بنا ہوا ہے۔ حضور کو یہ عزت واحترام، شرفِ باریابی، اور انتہائی قربت وسعادت مبارک ہو۔ جسکی تمنا میں بڑے بڑے اولوالعزم اور جلیل القدر انبیاء نے التجائیں کیں، دعائیں مانگیں اور الحاح وزاریاں کیں۔ مگر کسی کو یہ شرفِ حضوری حاصل نہیں ہُوا۔ الغرض حضور علیہ السلام باصد ہزاراں انداز محبوبانہ حاضری بارگاہِ رب العزت کیلئے تیار ہو گئے۔ یہاں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ محققین ومحدثین کے نزدیک مقام روانگی معراج میں اختلاف ہے کہ کہاں سے حضور کی تشریف بری ہوئی۔ مذکورہ بالا بحث میں بھی یہ اختلاف معلوم ہوتا ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا آپ نے مَیں مکہ میں اپنے گھر آرام فرما تھا کہ سقفِ خانہ شگافتہ ہوئی اور جبرائیل علیہ السلام آئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حرم میں تھا۔ تیسری روایت میں ہے مسجدِ حرام کے حجرہ میں تھا کہ جبرائیل مع میکائیل تشریف لائے۔ چوتھی روایت میں ہے کہ خانۂ ام ہانی میں تھا۔ اور اکثر محدثین اسی طرف میل رکھتے ہیں۔ ایک روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہٗ کی ہے کہ اصحاب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمکو لیلۃ الاسرای سے آگاہ فرمایئے۔ تو فرمایا کہ میں بعد نماز عشاء مسجدِ حرام میں تھا کہ میرے پاس آنے

والا آیا۔ اور اُس نے مجھے جگایا۔ ان مختلف فیہ روایات میں مطابقت یوں ہوسکتی ہے کہ اس رات آپ ام ہانی کے گھر ہونگے۔ اور وہ گھر کوہِ صفا اور مروہ کے درمیان واقع تھا۔ جو جگہ داخلِ حرم شریف بھی ہے اور کفالت کیوقت چونکہ حضور ابو طالب کے اسی گھر میں تھے۔ اسلئے اسکی اضافت اپنی طرف فرما کر کہا کہ میں اپنے گھر میں تھا۔ اور آپکو وہاں سے پہلے مسجدِ حرام میں لیگئے تھے تاکہ طوافِ کعبہ فرما کر ارادۂ بیت المقدس فرمائیں۔ اس جہت سے حجرۂ مسجد میں فرمایا ہو۔ پس سب روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہُوا کہ خانۂ ام ہانی بنت ابی طالب میں تھے اور یہیں سے روانگی ہو کر واقعہ معراج پیش آیا۔ واللہ اعلم بالصواب؀

تاریخ کعبہ مکرمہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً

فطوبیٰ لباب کبیت العتیق
حوالیہ من کُلِّ فجٍ عمیق

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام بابرکت سے ابتدائے معراج ہوئی ہے۔ اُسکی مختصر کیفیت بھی درج کتاب ہذا کردی جائے۔ تاکہ قارئینِ کرام اپنے خداوند جلّ و علاشانہٗ کی رحمت اور اسکے مقدس گھر کی برکتوں سے واقفیت حاصل کرکے محظوظ ہوسکیں۔ یہ یاد رہے کہ انسان میں دو قوتیں ودیعت ہوئی ہیں۔ عقل اور عشق اور یہی دونوں قوتیں منزلِ مقصود تک پہنچنے کیلئے اسکے دو پر ہیں۔ تنہا نہ عقل کام دیتی ہے اور نہ شوق ومحبت۔ اور یہی اختلاف ہے جو عقل کے بندوں حکماء میں اور طریقِ انبیاء میں پایا جاتا ہے۔ حکماء صرف عقل کے پابند ہوتے ہیں۔ مگر انبیاء عقل کیساتھ عشق کو بھی کام میں لانیکی دعوت دیتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو منازل عقل سے سالہا سال میں طے نہیں ہوتیں۔ وہ عشق سے دم بھر میں انجام پاجاتی ہیں۔ اسلام میں جسقدر عقل معتبر ہے۔ اسی قدر عشق بھی اسکے ہم پلہ سمجھا گیا ہے اور اگر آپ بغور ارکانِ اسلام کا مطالعہ فرمائینگے تو ہر کام کو دونوں چیزوں سے مرکب پائینگے۔ چنانچہ نماز میں حمد وثنا الٰہی اور استعانت۔ عقل سے متعلق ہیں۔ لیکن دست بستہ کھڑے ہونا۔ جھک جانا۔ سجدہ میں گرجانا عشق سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ اسیطرح حج میں اسکی صفت وثنا۔ دعا واستغفار۔ عقل کے ماتحت ہے۔ لیکن احرام باندھکر فنائے حرص وہوا کا ثبوت

دینا۔ دیوانہ وار کعبہ کے گرد گھومنا۔ صفا مروہ دوڑنا۔ منیٰ و عرفات میں والہانہ لبّیک پکارنا۔ حضرتِ عشق کا جلوہ ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جسکے ماتحت خالقُ الکُل جلّ شانہٗ نے ہمکو اپنے اس مقدس گھر کے طواف و زیارت کا حکم دیا ہے۔ جسکا نام نامی بیت الحرام ہے یہ تجلّی گاہ جلال دنیا کے عین وسط میں واقع ہے جسکا مطلب سوائے اسکے کچھ نہیں کہ شام و عراق۔ ایران و ترکستان۔ یورپ و ایشیا۔ ہند و سندھ مصر و بخارا جاپان و افغانستان۔ مراکش و طرابلس غرضیکہ تمام دنیا کی اسلامی آبادی بخطِ مستقیم حاضر ہو سکے۔ اور اپنی روحانی تڑپ و التہاب کو فرو کر سکے شہر مکہ معظمہ جس میں خانہ کعبہ واقع ہے آج سے دو ڈھائی ہزار برس پہلے ایک غیر آباد ریگستان اور نا قابلِ بسر جنگل تھا۔ سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی حرم محترم حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل کو بحکمِ الٰہی وادیٔ غیر ذی زرع سمجھ کر یہاں چھوڑ گئے تھے اور خدائے قدوس سے دعا مانگی تھی کہ اس وادی کو ایک پُر فضا اور آباد شہر بنا دے جسکے اہالی تیری رحمت سے پھلوں کا رزق دیئے جائیں۔ وہ دعا منظور ہوئی اور باوجودیکہ اسکی زمین تمام تر ریتلی اور سنگلاخ میلوں میں پھیلی پڑی ہے اور زراعت وغیرہ نام کو نہیں تاہم خدا کے وعدہ کے مطابق ہر قسم کی چیزیں اپنی اصلی شکل و صورت میں دستیاب ہو جاتی ہیں۔ اس شہر کی آبادی تخمیناً ستر پچھتر ہزار کی مردم شماری رکھتی ہے دو طرفہ اسکے پہاڑی کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ حرم شریف اسکے گرد و نواح میں ایک بارہ میل وسیع اور خوبصورت میدان کا نام ہے جو مربع شکل میں ہے اور خانہ کعبہ حرم کے بالکل درمیان واقع ہے۔ اس مقدس و بزرگ خانہ خدا کی تعمیر کی ابتدا یوں ہوئی

ہے کہ جب حضرت آدم جنت سے زمین پر تشریف لے آئے تو وحشت و تنہائی کو محسوس فرما کر بارگاہِ ایزدی میں عرضگذار ہوئے کہ یہاں کوئی مسقف مکان نہیں اور نہ عبادت کا سامان۔ میری عبادت کیلئے کوئی انتظام فرمایا جاوے۔ حکم ہوا تو عبادت کیلئے ایک گھر بنا کہ یہ دُنیا میں خدا کا پہلا گھر ہوگا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ جگہ معلوم ہونی چاہیئے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے کعبہ کی جگہ بتائی اور آدم علیہ السلام نے پتھروں کی بنیاد زمین سے اوپر تک چُنی۔ پھر اُس پر ایک خیمہ نورانی جو ملاءِ اعلیٰ میں ملائکہ کا طواف گاہ ہے اور بیت المعمور کے نام نامی سے معروف ہے رکھا گیا۔ پس آدم علیہ السلام وہاں طواف کرتے اور اُسی جہت کو نماز ادا فرماتے۔ ایک عرصہ تک یہی کیفیت رہی۔ پھر طوفانِ نوح میں وہ بیت المعمور اٹھالیا گیا جسکی یادگار کی صورت میں صرف ایک سرخ ٹیلہ سا بعد طوفان کے باقی رہ گیا۔ پھر جب سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو وہ اپنی حرم محترم حضرت ہاجرہ علیہا السلام و صاحبزادے اسمٰعیل علیہ السلام کو جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ جہاں چھوڑ گئے تھے ملاقات کو تشریف لائے تو اسمٰعیل سے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھکو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا ہے۔ اگر تو میرا ساتھ دے تو بہتر ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا بسر و چشم حاضر ہوں۔ پس ابراہیم علیہ السلام اس ارادہ سے جب آگے بڑھے تو تعیّنِ مقام کیلئے سکوت میں ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک ٹکڑا ابر اُسی مقدار کا جسقدر تعمیر کعبہ مقصود تھی نمودار ہوا اور ایک جگہ پر آکر ٹھہر گیا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقام اور اسی مقدار پر کعبہ کی بنیادیں رکھیں اور کعبہ تیار ہو گیا۔ یہ دیکھنے میں گو ایک مستطیل شکل کا چوکونہ مکان تھا مگر کوئی ایک دیوار بھی اپنے طول و عرض میں دوسری کے برابر نہ تھی۔ چنانچہ اسکے

چار گوشے چار رکنوں کے نام سے موسوم کر دیئے گئے۔ شمال مشرق میں رکن عراقی شمال مغرب میں رکن غربی۔ جنوب مغرب میں رکن یمانی۔ جنوب مشرق میں رکن شامی اور اس خدا کے مقدس گھر کا طول و عرض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیواریں اُٹھائیں۔ اس طرح تھا۔ مشرقی جانب یعنی حجرِ اسود سے رکن یمانی تک بیس گز تھا۔ اور مغربی جانب رکن شامی سے لیکر رکن غربی تک بائیس ۲۲ گز۔ اور طول میں شمالی دیوار حجرِ اسود سے رکن شامی تک تینتیس ۳۳ گز لمبی اور جنوبی دیوار رکن غربی سے لیکر رکن عراقی تک اکتیس گز تھی۔ سب بہئیت مجموعی شکل مستطیل مگر نہ عرض کے دونوں سرے برابر نہ طول کی دونوں دیواریں برابر تھیں اور بلندی اس مکان کی پورے نو گز تھی۔ اور دروازے کی کچھ کرسی نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر اور گارا دیتے جاتے تھے۔ اور یہ پتھر جسکو آج مقامِ ابراہیم کہا جاتا ہے۔ تعمیر میں بطریق پاڑ کے تھا۔ اس پر چڑھ کر دیوار کے پتھروں کی چنائی کیجاتی تھی۔ یہ گارا پتھر لینے کیلئے خود بخود نیچے ہو جاتا اور لگانے کیلئے اصلی مقام تک بلند ہو جاتا تھا۔ جنوب مشرق کے رُخ باہر کے جانب دو ڈیڑھ گز بلندی پر ایک کونہ میں ایک سیاہ پتھر مدوّر جسپر چاندی کا خول گرداگرد منڈھا ہوا ہے لگا ہے اسکو حجرِ اسود کہتے ہیں۔ کسیوقت میں کسی صدمہ کیوجہ سے اسکے ٹوٹ کر کئی ٹکڑے ہو گئے تھے۔ جنکو جمع کر کے یہاں گاڑ دیا گیا ہے اور یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کیوقت سے ہی اسی کونہ میں جڑا ہُوا ہے۔ جب ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ تعمیر کردہ کعبہ پہاڑی نالے کا پانی پڑنے کے سبب سے گر گیا۔ تو ایک قبیلہ بنی جرہم نے پھر اسکو اسی طور سے تعمیر کر دیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد یہ عمارت بھی گر گئی۔ تو

عمالیق نے پھر اسکو تعمیر کیا (یہ قبیلہ عمالیق بن حمیر کہلاتا تھا) اسکے بعد یہ عمارت عمالیق کی بنائی ہوئی بھی ٹوٹ پھوٹ گئی۔ تو قصئ بن کلاب نے اسکو از سرِ نو بنایا اور اسکی چھت لکڑی سے پاٹ دی۔ اور اُس پر غلافِ سیاہ ڈال دیا۔ قریش میں سے قصئ ہی ایک وہ شخص ہے۔ جس نے غلاف کعبہ کو ایک مستقل حیثیت دی۔ یعنی غلاف کی لاگت اور تمام مصارف کا اندازہ لگایا۔ اور مختلف قبائلِ عرب پر اسکا بار ڈال دیا۔ اور ہر سال اس رقم کی فراہمی سے غلاف کا اہتمام کیا کرتا چنانچہ اسکی اولاد بھی اسکے کچھ عرصہ بعد تک اسی دستور کی پابند رہی۔ پھر ابو ربیعہ کے زیادہ مالدار ہونے سے یہ دستور العمل ہوا کہ ایک سال وہ اکیلا غلافِ کعبہ چڑھایا کرے اور ایک سال تمام قبائل ملکر یہ خدمت انجام دیا کریں۔ قصئ کے اس انتظام سے قبل غلاف کعبہ کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ عمومی صورت میں بطریقِ حُرمت کبھی ٹاٹ کبھی چمڑے کے پیوند لگا کر کعبہ شریف کو ڈھانپ دیا جاتا تھا۔ کسی وقت قربانی کی جھولوں پر ہی اکتفا ہوتی اور کبھی میسر آنے پر کپڑا بھی (خواہ وہ کسی رنگ و روپ کا ہو) استعمال ہو جاتا جسکے لئے وقت کی کوئی خاص تعیین نہ تھی۔ سال بھر میں ایکمرتبہ میسر ہوا تو ایک بار اور زیادہ بار میسر ہوا تو متعدد اوقات میں غلاف چڑھا دیا جاتا تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا۔ کہ ایک سال کے بعد ضرور تبدیل کیا جائے۔ عہد قدیم کا ایک مشہور قصہ ہے کہ ابو کرب یمنی (جسکا اصلی نام اسعد حمیری والئے یمن تھا) نے اپنی عقیدت کے ماتحت ایک زر دوزی غلاف چڑھانیکا ارادہ کیا اور لایا مگر خدام کعبہ نے اسکی جانب کوئی التفات نہ کی جس سے وہ ناراض ہو گیا اور اس ناراضگی میں متبع نفس ہو کر بجائے غلاف چڑھانیکے کعبہ شریف کو گرانیکے درپے ہو گیا کہ کیوں خدام کعبہ نے میری آؤ بھگت

نہیں کی۔ مگر وہ نہ سمجھ سکا کہ یہ کس گھر کے دربان اور کس مکین کے خدّام ہیں۔ اُن کی نگاہ میں ایک معمولی دنیادار کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ جوں ہی اس نے کعبہ کے گرانے کا خیال کیا فوراً ایک مہلک مرض کا حملہ ہوا اور جاں بر ہونیکی کوئی اُمید نہ رہی۔ مشیروں نے مشورہ دیا کہ اس بُرے ارادے سے باز آیئے۔ تب بیماری سے مخلصی ہو گی چنانچہ خلوص سے تائب ہو کر پھر غلاف چڑھانے آیا اور صحتیاب ہو گیا۔

کعبہ تشریف کی یہی عمارت جو قصی بن کلاب نے بنائی تھی۔ ایک مدت تک یہی حتیٰ کہ اس وقت تک دیکھی گئی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر دس بارہ برس کے قریب ہو چکی تھی کہ ایک عورت نے پردۂ کعبہ کے قریب بخور یعنی خوشبو جلائی تو پردہ میں آگ لگ جانیکے باعث یہ بھی تمام عمارت جل گئی۔ اس وقت قریش چاہتے تھے کہ اس عمارت کو پھر تعمیر کریں۔ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسکو بنا تو دیا۔ مگر کئی تصرف اس میں کر دیئے۔ پہلے یہ کہ حطیم کی جانب سے کئی گز زمین چھوڑ کر کعبہ کی غربی دیوار اٹھائی۔ دوسرے یہ کہ دروازے کی چوکھٹ تخمیناً دو گز اونچی کر کے لگائی۔ تاکہ انکی مرضی کے بغیر ہر شخص کعبہ میں داخل نہ ہو سکے تیسرے یہ کہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صف قائم کیں۔ ہر ہر صف میں تین تین ستون تھے۔ چنانچہ جب مکہ معظمہ حضور علیہ السلام کے وقت میں فتح ہُوا اور کعبہ کے اندر جا کر نماز ادا فرمائی تو انہی ستونوں کے درمیان پڑھی چوتھے یہ کہ دیواروں کی بلندی دوگنا کر دی گئی۔ پانچویں یہ کہ رکن شامی کے قریب کعبہ کی چھت پر چڑھنے کیلئے ایک زینہ بھی بنا دیا۔ پھر ۸ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں باغلبۂ شوکت تشریف لائے تو جبقدر قریش نے کعبہ میں اور اسکے

اردگرد بُت اور مورتیاں رکھی تھیں سب کو نکال کر پھینکدیا۔ یہ بُت قدیم سے کعبہ
میں نہ تھے بلکہ عمر بن لحی کے عہد سے جو حضور علیہ السلام سے تخمیناً تین سو برس پہلے
تھا اور اسوقت کعبہ بنائے قریش پر قائم تھا رکھے گئے تھے اور بزرگوں کی یادگار
کے طریق پر انکی پرستش شروع ہوگئی تھی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جب قریش
کعبہ کی تعمیر کر چکے اور حجرِ اسود کو گاڑنا چاہا تو باہم قبائل میں اختلاف ہُوا۔ ہر شخص اور
ہر قبیلہ کا یہ خیال تھا کہ حجرِ اسود کو کعبہ مکرّمہ کی دیوار میں رکھنے کا مجھے فخر حاصل ہو۔
قریب تھا کہ معاملہ بڑھ جائے اور تلواریں بے نیام ہو جائیں تو حضور علیہ السلام نے
فرمایا کہ اگر تم مانو تو یہ بطریق احسن فیصلہ ہو سکتا ہے۔ سب نے متفق ہو کر یہ امر حضور
کی سپرد کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسکو ایک چادر پر رکھ لو اور چادر کو تمام رؤساء
ہاتھوں پر اٹھائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ جب وہ اُٹھا کر قریب کعبہ لائے جہاں
کر رکھنا تھا۔ تو حضور نے اُٹھا کر رکھدیا اور اس طرح وہ بڑھتا ہوا فساد رُک گیا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت صدیقہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ
عنہا سے فرمایا تھا میرا دل چاہتا ہے کہ میں کعبہ کو پھر قدیم بنیاد پر بطریق ابراہیم
علیہ السلام بناؤں۔ اور دروازہ کی چوکھٹ زمین سے ملادوں۔ اور دو دروازے
رکھوں ایک سے لوگ داخل ہُوا کریں اور دوسرے سے خارج۔ مگر خدا کی
قدرت اسی اثنا میں حضور دنیا سے تشریف لیگئے۔ پھر عبداللہ بن زبیر خلیفہ ہوئے
توانہوں نے یہ حدیث اپنی خالہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سُنی تو حضرت
کے ارادہ کو پورا فرمادیا۔ اور اس عمارت کی تکمیل ماہ رجب ۶۴ھ ہجری المقدس
میں ہوگئی۔ انکی خلافت اور اس تعمیر کے تھوڑے دنوں بعد بنی اُمیّہ کا دور دورہ

ہُوا۔ حجاج بن یوسف نائب عبدالملک بن مروان کو یہ تعمیر عبداللہ بن زبیر ناپسند ہوئی۔ اُس نے کعبہ کو گرا کر پھر بنیاد قریش پر بنادیا۔ اور صرف ایک دروازہ مشرقی جانب رکھا۔ اندرونی سطح قدآدم بھر کر دروازہ اونچا لگادیا۔ اور وہ ٹکڑا بدستور طولانی جانب سے جسکو حطیم کہتے ہیں باہر نکالدیا یہ تجدید ۷۴ھ ہجری میں ہوئی (بعض کہتے ہیں کہ حجاج نے تمام عمارتِ کعبہ عبداللہ بن زبیر کو نہیں گرایا تھا۔ بلکہ اُن تصرفات میں تصرف کیا تھا جو عبداللہ بن زبیر نے کئے تھے) پھر بنی عباس کے عہد میں خلیفہ ہاروں رشید نے قصد کیا کہ تعمیر کرے اور عبداللہ بن زبیر کی بنائے کعبہ پر بنائے مگر علماء نے منع فرمایا کہ بار بار گرانا اور بنانا تکمیل ہو جائیگا۔ چنانچہ وہی بنائے حجاج سلطان مراد بن احمد خاں سلطان قسطنطنیہ کے عہد تک قائم رہی اور شاہانِ اسلام اسی عمارت کی حفاظت و مرمت کرتے رہے مگر یہ عمارت بھی جب بہت کہنہ ہوگئی تو ۱۰۴۰ھ ایک ہزار چالیس ہجری میں سلطان مراد نے اسکی تعمیر کا ارادہ کیا اور سوا اس کونہ کے جسمیں حجرِ اسود لگا ہوا ہے سبکو گرا کر نئے سرے سے بنیاد حجاج کے موافق بنادیا۔ اور اندر سنگِ مرمر کا فرش بنا کر اندر کی دیواروں میں بھی سنگِ مرمر لگادیا۔ اور ایک عمدہ لکڑی کے دو صف ستون ایک ایک صف میں تین تین ستون اور چھت پر نفیس ترین مخملی چھت گیری اور اوپر سے گچ شدہ تیار کروایا۔ باہر کی... دیواریں سنگِ خارا میں چونے سے چُنی ہوئی ہیں۔ جنکی لپائی وغیرہ نہیں ہوئی ہے اور تمام دیواروں پر ریشمی سیاہ پردہ پڑا رہتا ہے جسپر بخطِ ثلث کلمۂ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر ابتدائے اسلام میں اسکی یہ حیثیت نہ تھی (جیسا کہ پیچھے ذکر ہُوا) سادہ پارچہ جو میسر ہوتا چڑھا دیا جاتا۔ چنانچہ ۹ھ میں خود سرکارِ دو

عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی باریک چادروں کا غلاف چڑھایا تھا۔ اور ان چادروں کی قیمت بیت المال سے ادا فرمائی تھی۔ اسی طرح حضور کے بعد خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی بیت المال سے ہی اس خدمت کو انجام دیا۔ حضرت فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ ہر سال نیا غلاف چڑھاتے اور پرانا اتروا کر حجاج میں تقسیم فرما دیتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں بھی یہی حالت رہی لیکن ایک مرتبہ آپ نے غلاف کعبہ کا ایک ٹکڑا ایک حائضہ عورت کے بدن پر دیکھا تو خیال فرمایا کہ غلاف کا تقسیم کرنا اسکی توہین کا باعث ہے پھر پرانے غلاف اتروا کر زمین میں دفن کئے جانے لگے۔ بعد ازاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں غلاف کے متعلق زیادہ اہتمام ہونے لگا اور سال بھر میں دو دو چار چار غلاف بھی چڑھنے شروع ہو گئے۔ پرانے غلافوں کے دفن کرنے پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اعتراض کیا اور یہ معاملہ حضرت اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حضور میں پیش ہوا جسکی نسبت حضرت اُم المومنین نے فرمایا کہ پرانے غلاف کو فروخت کر کے اسکی قیمت غربا و مساکین میں تقسیم کر دی جایا کرے۔ چنانچہ اسی وقت سے غلاف کے ٹکڑوں کی فروختگی کا سلسلہ شروع ہے۔ جسپر آجتک عمل ہو رہا ہے مگر اسکی قیمت اب غربا میں تقسیم نہیں ہوتی۔ بیت اللہ کے خدام ہی اسکو اپنی جاگیر بنائے بیٹھے ہیں۔ امیر معاویہ کے بعد یزید بن معاویہ نے بھی اپنے وقت میں دیبا کا غلاف چڑھایا اور اسکے بعد اموی خلفاء یکے بعد دیگرے اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کرتے رہے۔ پھر جب خلافت عباسیوں کے ہاتھ آئی تو غلاف کعبہ بھی اُن سے متعلق ہو گیا۔ چنانچہ مہدی عباسی نے سنہ ۱۶۰ ہجری میں حج کیا تو بڑے طمطراق کے ساتھ غلاف چڑھایا۔ پھر

جب عباسیوں کا بھی خاتمہ ہو گیا تو مصر کے بادشاہ منصور بن ناصر نے غلاف کعبہ کی خدمت اپنے ذمہ واجب کر لی۔ اور اپنے علاقہ سے قاہرہ کے متصل دو گاؤں کی آمدنی اسی غلاف کے مصارف کو وقف کر دی۔ اسی وقت سے غلاف کی ساخت اس خاص وضع پر ہونے لگی جسمیں آیاتِ قرآنی اور کلمہ شریف بُنا ہوا دکھائی دیتا ہے نصف بلندی سے اوپر کی جانب اس پردہ کعبہ پر بالشت ڈیڑھ بالشت چوڑے اُنرخ کارچوبی پٹکا منڈیر کی حد سے گز دو گز نیچے علیحٰدہ بُنا ہوا چسپاں ہوتا ہے۔ اس میں بادشاہِ وقت کا نام بھی درج ہوتا ہے۔ یہ غلاف کعبہ چار ہزار پانچ سو پچاس گنی لاگت کا مصری لوگ ایک مدت تک محمل میں نہایت شان و تجمل سے بیت اللہ تک لاتے رہے۔ مگر اب جب سے نجدیوں کا دور دورہ ہُوا ہے۔ یہ پردہ مکہ معظمہ میں ہی تیار کرایا جاتا ہے۔ اب پھر معاہدہ ہو رہا ہے کہ بدستور قدیم اہل مصر ہی اس خدمت کو انجام دیں کیونکہ نجدیوں اور مصریوں کی باہمی چپقلش کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ جو کچھ عرصہ سے چلی آتی تھی۔ زمین سے تقریباً ساڑھے چھ فٹ کی بلندی پر نہایت مضبوط اور خاصہ چوڑا دروازہ لگا ہُوا ہے۔ جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ اس پر بھی ایک سیاہ پردہ پڑا ہُوا علیحٰدہ نظر آتا ہے۔ جسپر کلام الٰہی کی آیات اور اسماء الحسنیٰ نہایت خوبصورت زردوزی کڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ حرم بیت اللہ کی وسعت حرم نبوی علیہ السلام سے بہت زیادہ ہے۔ مگر فرق دونوں میں ظاہر ہے۔ ایک میں جمال محبوبی اور ایک میں جلالِ عاشقی کی درسگاہ ہے۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ حرم شریف بیت اللہ کے صحن کا طول بارہ سو فٹ اور عرض تقریباً نو سو فٹ ہے۔ جسمیں بیک وقت ایک لاکھ سے زائد انسان جمع ہو کر بخوبی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ صحن کے

چاروں جانب بڑے بڑے دالان دو منزلہ عمارت کی بلندی کے برابر بنے ہوئے ہیں۔ جنکے ستونوں کی تعداد چھ سو بچاشی ہے۔ جو نہایت خوبصورت وضع و تراش کے ساتھ ایک بہترین صنعت کا نمونہ ہیں اور بعض ستونوں پر خوبصورت انداز میں خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام کندہ ہیں۔ حرم شریف کے دروازے جو بعض ایک در اور بعض دو در کے ہیں۔ تعداد میں بیالیس ۴۲ ہیں۔ اور نامونیں اکیس ۲۱ شمار ہوتے ہیں۔ انکے مندرجہ ذیل نام ہیں۔ باب الدریبہ، باب المدرسۃ، باب الحکمۃ، باب الزیادہ، باب القبطی۔ باب الباسطیہ، باب الزمانیہ باب عمر بن عاص، باب عمرہ، باب ابراہیم، باب الحزورہ، باب اُمہانی۔ باب الرحمتہ باب العجلۃ، باب الجیاد، باب الصفا، باب بنی مخزوم، باب بنی ہاشم، باب النبی صلعم، باب بنی شیبہ، باب السلام، دالانوں سے خانہ کعبہ تک چھوٹی چھوٹی پتھر کی مفروش سڑکیں بنی ہوئی ہیں۔ اور سڑکوں کے علاوہ باقی صحن میں سنگریزے بچھے ہوئے ہیں۔ کعبہ کے چاروں طرف بارہ بارہ قدم کے فاصلے تک ہموار زمین ہے۔ اس پر بھی ایک سفید پتھر کا چاروں طرف فرش ہے۔ جو باقی سطح صحن سے قریباً ایک فٹ یا زیادہ نیچا ہے۔ اس میں حاجی لوگ پھر کر طواف کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسکو مطاف کہا جاتا ہے۔ مطاف کے کنارے پر شرقی جانب سفید پتھر کی ایک عمارت بنی ہوئی ہے۔ جو محراب النبی کہلاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اسی راستہ سے حرم میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اس محراب کی شمالی سمت میں ممبر ہے۔ اور جنوب میں مقام ابراہیم ہے۔ یہاں ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز طواف واجب ہے۔ قریب ہی زمزم کا کنواں ہے یہ وہی چشمہ ہے جو حضرت اسمٰعیلؑ

کی ایڑیوں سے خدا کی قدرت کاملہ نے زمین پر جاری فرمادیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد چشمہ
بند ہو گیا۔ پھر اسی مقام پر اسکی یادگار کیلئے ایک کنواں بنادیا گیا۔ یہ کنواں بھی کئی بار
کھلا اور بند ہوا۔ مگر اب اسوقت نہایت بہتر طریق پر بننے سے موجود ہے۔ سنگِ مرمر کا
اس پر قبہ ہے۔ اور اردگرد جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ گویا ایک عمدہ کوٹھڑی ہے۔ جسکو
ایک دروازہ ہے۔ اس سے اندر جاکر لوگ پانی بھرتے ہیں۔ آبِ زمزم ذرا کھاری لذت
رکھتا ہے اور ہر مرض کا علاج ہے بشرطیکہ تازہ نکلوا کر کنوئیں کے پاس کھڑا ہو کر پیئیں اور
پیتے وقت نظر کعبہ مبارک پر رکھیں۔ فقیر کے ایک مخلص دوست حاجی چوہدری کرم الٰہی
صاحب نے اپنا قصہ یوں بیان فرمایا کہ مجھے مدت العمر سے دردگردہ کی سخت شکایت تھی اور
ہمیشہ تکلیف دیتا تھا۔ مگر اسی مسئلہ کو ایک کتاب میں پڑھکر میں نے آبِ زمزم تازہ نکلوا کر
کعبہ شریف زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً کو نگاہ رکھتے ہوئے پیٹ بھر کر پیا۔ اسکے بعد مجھے
پیشاب کی حاجت ہوئی۔ اسوقت کے بعد تادمِ تحریر کتاب ہذا سات سال ہوگئے قطعاً
کوئی اور کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔

اِن بیان کردہ ضروری کوائف کے علاوہ اور بہت سے متبرک مقامات ایسے
ہیں جنکی تقدیس اسی کعبہ مکرمہ کیوجہ اور بعض بعض خصوصی برکات کی بنا پر ہے جنکی اس مختصر
میں گنجائش نہیں۔ مثلاً کوہِ صفا و مروہ، جبلِ ابوقبیس، جبلِ ثور، جبلِ نور، غارِ حرا، غارِ ثور،
مسجد انشقاق القمر، مسجدِ مشعر الحرام، مسجدِ نمرہ، مسجدِ منحر النبی، مسجد الکبش، مسجدِ خیف، مسجد
العقبہ، مسجدِ مجتبےٰ، مسجد الجن، مسجد الاجابتہ، مسجد الشجرہ، مسجد بوقبیس، جنت المعلیٰ، مسجد
بلال وغیرہ۔ مولا کریم مومنین کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ ظاہری زیارت سے ان کو پائیں
اور کعبۃ اللہ کے دیدارِ پُرانوار سے دلوں کو ٹھنڈا کریں۔ آمین ؛

شاہسوارِ عرب مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و زخورشید نشانم دادند

کلام پاک کی وہ آیت جسے آیتِ معراج فرمایا گیا ہے۔ اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ ہر قسم کی مجبوریوں اور تعطل و بیکاری و ہر قسم کی خامیوں اور عیوب سے منزہ وہ پاک خدا ہے جو اپنے عالی درجات والا صفات بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات یا رات کے بعض حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک اپنی نشانیاں دکھانیکو لے گیا۔ کلام الٰہی کی اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا محض اشارہ ہی بیان فرمایا ہے مگر خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس بےمثال معجزہ اور بےنظیر واقعہ کا مفصل حال احادیث میں مشرّح بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ بیت الحرام سے براستہ نخلستان طیبہ۔ مدینہ منوّرہ (کہ جہاں چند دنوں کے بعد آپ ہجرت کر کے تشریف لیجانے والے تھے) اور طور سینا پہاڑ کہ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مولا کریم سے ہمکلام ہوئے تھے۔ اور بیت اللحم جہاں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ اور دیگر متبرک مقامات پر ہوتے اور دو دو رکعت نفل ادا کرتے ہوئے بیت المقدس تشریف لیجانا۔ بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں کو طے کر کے عرشِ اعظم پر جلوہ ریز ہونا خداوند جل وعلا شانہٗ کا دیدار پانا۔ احادیث سے کامل طور پر محقق ہوتا ہے اور اس باب میں احادیث

صحیحہ صریحہ مشہودہ وارد ہیں جو بحدِ تواتر پہنچی ہیں۔ چنانچہ تینس[۳۱] صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے واقعہ معراج کو حدیث میں روایت کیا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رض، عمر فاروق رض، عثمان ذی النورین رض، علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود رض، عبید اللہ بن عباس رض، عبداللہ بن عمر رض، عبداللہ بن زبیر رض، عبداللہ بن اوفی رض، عبداللہ بن عامر رض، ابوذر غفاری رض، ابو ایوب انصاری رض، جابر بن عبداللہ انصاری رض، ابی بن کعب رض، حذیفہ الیمانی رض، ابو سعید خدری رض۔ ابوہریرہ رض، عباس رض بن عبدالمطلب، انس بن مالک رض، مالک بن صعصعہ رض، عمران بن الحصین رض، بلال حبشی رض، ابو امامہ باہلی رض، اسامہ بن زید رض، ابودرداء رض، ہلال بن سعد، ابو شیلہ رض، ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رض ام ہانی، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ہاں راویوں میں وقت وقوع معراج میں اختلاف ہے۔ اصل مسئلہ معراج میں کسی کا اختلاف نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبہ معراج شریف نبوت کے بارہویں سال یعنی سنہ ۱۲ نبوت کو ماہ رجب کی ۲۶ ر تاریخ اتوار کا دن گذرنے کے بعد ستائیسویں شب میں جسکی صبح کو دوشنبہ یعنی پیر کا دن تھا۔ حاصل ہوا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف باون سال ۸ مہینہ اور ۲۰ دن کی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج ۱۷ ر تاریخ ربیع الاول میں پانچویں برس نبوت سے ہوئی۔ امام زہری سے مروی ہے کہ ایک برس پانچ مہینے پہلے ہجرت سے ہوئی۔ اس تقدیر پر شوال کی گیارہویں تاریخ آتی ہے۔ ایک روایت میں ۱۷ ر رمضان کی بارہویں سال بعثت سے ہے۔ اور ایک قول اصح میں ابن العاص سے ہے کہ رجب کی ستائیسویں تاریخ شب دوشنبہ بعثت سے بارہویں سال کا ذکر ہے اور

اکثر علماء و محدثین اسی پر متفق ہیں۔ جبکہ عمر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکیاون برس آٹھ ماہ بیس روز کی تھی۔

الغرض حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جسکو مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ نے یوں روایت کیا کہ جس رات مجھے بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ میں حطیم کعبہ میں تھا۔ خدا کی طرف سے نقیب بارگاہ الٰہی حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ اور میرا چوتھی بار شق صدر کیا گیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک ناف سے سینہ تک چاک کیا۔ اور آپکے قلبِ مبارک کو نکال کر طشت طلائی میں آبِ زمزم سے دھویا۔ اور پھر ایمان و حکمت اور تجلیات سے معمور کر کے بدستور سینۂ مطہر میں رکھ کر سی دیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کعبہ سے معراج ہوئی۔ تو تین شخص آئے۔ قبل اسکے کہ آپ پر وحی کیجاوے آپ مسجد حرام میں خواب میں تھے۔ پس پہلے شخص نے کہا وہ کون ہے۔ دوسرے نے کہا۔ وہ اُن میں سے بہتر ہے۔ تیسرا بولا کہ بہتر کو لے لو۔ پس اُس پہلی رات میں یہی کیفیت ہوئی۔ اور باتیں کرنے والوں کو نہ دیکھا گیا۔ پھر دوسری رات میں آئے درآنحالیکہ آپ کا قلب دیکھتا تھا۔ اور آپکی صفت یہ تھی کہ آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سویا کرتا اور تمام انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی حال تھا۔ کہ انکی آنکھیں سویا کرتی تھیں اور دل نہیں سوتے تھے۔ پس فرشتوں نے آپ سے کچھ کلام نہ کیا۔ اور آپ کو چاہِ زمزم پر اُٹھا لیگئے۔ پس جبرائیل نے بذاتِ خود متولی ہو کر آپکا سینہ چاک کر دیا۔ اور اندر سے دل نکال کر اس کو زمزم سے دھو کر صاف کر دیا۔ پھر ایک سونے کا طشت

جس میں سونے کی لگن تھی لائے۔ اسمیں ایمان وحکمت بھری ہوئی تھی۔ اُس سے آپ کا سینہ بھر دیا۔ اور حلق کے عروق ملا کر جوڑ دیا۔ اس سے آپکو کسی قسم کی مطلق تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر حُلّۂ نور بہشتی آپکو پہنایا۔ اور سرِ اقدس پر دہ عمامہ باندھا جسکو رضوان داروغہ جنت نے پیدائش حضرت آدم علیہ السلام سے سات ہزار سال پہلے آپ ہی کیلئے خاص طور پر تیار کیا تھا۔ اور جسکے گرد چالیس ہزار فرشتے ہروقت تیار کھڑے تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک نورانی چادر آپ کو اوڑھا کر نعلین پائے مبارک میں پہنائیں۔ جب اس کام سے جبرائیل علیہ السلام فارغ ہوئے تو ایک سفید رنگ کا جنتی مرکب جو ڈیل ڈول میں خچر سے نیچا اور گدھے سے اونچا۔ جسکو عرفِ عام میں بُراق کہتے ہیں اور جو اپنا قدم اپنی حدِ نگاہ پر رکھتا تھا خدمت عالی میں پیش کیا۔ اسکی پیشانی پر لاالٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ امام احمدؒ نے انس بن مالکؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ براق میرے پاس لایا گیا۔ وہ چوپایہ سفید ہے۔ گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا۔ اور اپنا قدم وہاں رکھتا ہے۔ جہاں اُسکا انتہائے نظر ہوتی ہے۔ میں اُس پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا۔ اور چوپایہ اس حلقے سے باندھا جس میں انبیاء علیہم السلام باندھتے تھے۔ ایک اور روایت میں امام احمدؒ نے بین طریق قتادہ اُم انسؓ بن مالک سے روایت کی ہے۔ کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اسراء ہوا۔ آپکے پاس براق لایا گیا۔ اس پر ساز وسامان زین لگام وغیرہ آراستہ تھا۔ آپ نے سوار ہونا چاہا تو اُس نے شوخی کی۔ پس جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ تجھے کیا سوجھی۔ پس واللہ تجھ پر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے

بڑھکر بزرگی والا سوار نہیں ہوا۔ پس براق پسینہ پسینہ ہوگیا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے رکاب پکڑی اور میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی۔ اور آپ سوار کیا۔ باقی ملائکہ نور کی مشعلیں روشن کئے ہمرکاب چلے۔ حضور نے لگام کھینچنے کا قصد فرمایا۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اسکو چھوڑ دیجئے یہ مامور ہے۔ جانتا ہے جہاں جاتا ہے۔ آپ نے لگام چھوڑ دی۔ اور وہ رواں ہوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ راستہ میں اگر کوئی آواز سُنائی دے تو التفات نہ فرمایئے۔ اور کسی کے پکارنے کا جواب نہ فرمایئے۔ جب حضور نے تھوڑی راہ طے کی تو داہنی جانب سے کسی نے پکارا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلدی نہ کرو تو راہ بھول گیا ہے۔ آپ نے بموجب وصیت جبرائیل علیہ السلام کے التفات نہ فرمایا۔ پھر اسی طرح سامنے سے اور پشت سے آواز آئی۔ لیکن حضور خاموش رہے۔ آگے روانہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک بڑھیا راستہ کے کنارے پر کھڑی ہے۔ پوچھا جبرائیل یہ کون ہے۔ عرض کیا کہ چلیے چلیئے۔ وہاں سے چلکر آگے گئے تو دیکھا کہ راستہ سے ہٹی ہوئی ایک چیز آپ کو بلاتی ہے کہ اے محمدؐ آؤ۔ پھر بھی توجہ نہ فرمائی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک خلق نے ملاقات کی اور بولے۔ السلام علیک یا اول۔ السلام علیک یا آخر۔ السلام علیک یا حاشر۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ سلام کا جواب فرمایئے۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر روانہ ہوئے تو دُوبارہ اور سہ بارہ ایسی ہی ملاقات ہوئی۔ ایک مقام پر جبرائیل نے عرض کیا کہ یہاں ٹھہریئے اور اُتر کر دوگانہ نفل ادا کیجئے۔ حضور کہتے ہیں۔ میں نے وہاں نماز پڑھی۔ جبرائیل کہنے لگے۔ آپ جانتے ہیں آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے۔ یہ مقام طیبہ ہے۔ جہاں آپ ہجرت کرکے آئینگے

آگے روانہ ہوئے تو ایک دوسرے مقام پر جبرائیل نے کہا کہ اتر کر نماز پڑھیئے اور بتلایا کہ یہ طور سیناء ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا تھا۔ پھر اسی طرح ایک تیسرے مقام پر فرمایا کہ یہاں بھی اتر کر نماز دوگانہ ادا فرمائیے۔ کہ یہ مقام بیت اللحم ہے۔ جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ یہاں ایک نکتہ اہلِ محبت کیلئے ہے کہ وہ مقام جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہو۔ وہاں جبرائیل علیہ السلام سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے دوگانہ نماز برکت کیلئے اور اس مقام کی تعظیم کیواسطے پڑھواتے ہیں۔ مگر آج اس امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ناپاک خیال افراد خود اس مقام کو پلید اور گندہ سمجھتے ہیں۔ جہاں نبی الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر تشریف لائے تھے۔ یعنی مقام مولد النبی علیہ السلام کو اسلئے گرا دیا گیا ہے۔ کہ یہ ناپاک جگہ ہے۔ اور یہاں سے برکت حاصل کرنیوالے حاجی لوگ یہاں کیوں نفل پڑھتے ہیں اور اس ادائیگی نوافل کا نام سراسر شرک رکھا گیا۔ کیا ایسے مسلمانوں میں ایمان کی رتی باقی رہتی ہے۔ جو مولد النبی علیہ السلام کو ناپاک جگہ کہکر اپنی توحید پرستی کا اعلان کرتے ہیں۔ خدا انکو فہم تکریم نبی عطا کرے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ براق کی سواری کیوقت بھی آپنے اس نافرمان امت کو فراموش نہ فرمایا۔ اور بُراق کو دیکھکر چشمان مبارک میں آنسو آگئے۔ اور جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ شرط احسان اور طریقہ شفاعت یہ نہیں کہ اسوقت اپنے مولا کریم کو اپنے پر مہربان دیکھکر خوشی خوشی براق پر سوار ہو جاؤں اور اپنی امت عاصی کو بھلا دوں۔ اے جبرائیل جب تک میری امت کے متعلق میرا مولا مجھے کوئی بشارت نہ فرمائیگا۔ ہرگز بُراق پر سوار نہ ہونگا۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حکم باری

ملا۔ کہ اے رحمۃ للعلمین آپ اپنی امت عاصی کا غم نہ کھائیں۔ جس طرح آج آپکی سواری کیلئے در دولت پر بُراق بھیجا گیا ہے۔ اسی طرح کل قیامت کیدن آپکے ہر امتی کی قبر پر بھی بُراق بھیجونگا۔ جو آپکی سچے دل سے پیروی کرنیوالا ہوگا۔ اور دم زدن میں راہ پل صراط طے کراکے سب کو جنت الفردوس میں داخل کرونگا۔ اس خوشخبری کے پاتے ہی حضور سوار ہوگئے۔ کیا اس محبت کا صلہ یہ ہے کہ امت حضور کی شان میں کلام کرنیکو بھی مشرکانہ فعل قرار دے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ القصہ آپ آگے روانہ ہوئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ وہ بوڑھی حسین عورت جو بناؤ سنگار کیئے ملی تھی وہ دنیا تھی۔ اگر آپ اُسکی طرف متوجہ ہوتے تو آپکی تمام امت دنیداری چھوڑ کر دنیا پرست ہو جاتی۔ اور جس بڈھے شخص نے آواز دی تھی وہ شیطان تھا۔ اگر آپ اُسکی آواز پہ جواب فرماتے۔ تو آپکی اُمت اسکے دامِ فریب میں پھنس کر گمراہ ہو جاتی۔ غرضیکہ آپ بہت سے عجائبات ملاحظہ فرماتے ہوئے اعلیٰ شان و تجمل کیساتھ مسجدِ اقصٰی یعنی بیت المقدس میں پہنچے۔ ہم نے بعض واقعاتِ سفر بیان نہیں کیئے جنکا تذکرہ حضور علیہ السلام کی معراج سے واپسی میں کرینگے۔ بیت المقدس میں آپ پر پانی۔ شراب اور دودھ کے تین پیالے پیش کیئے گئے۔ آپنے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ تو جبرائیل نے کہا کہ آپنے فطرت پائی۔ اگر آپ پانی لیتے تو امت غرق ہو جاتی۔ اگر شراب لیتے تو بے عقل اور گمراہ ہوتی۔ پھر آپ کے واسطے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام مع جمیع انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور آپکا بُراق اُس حلقہ سے باندھا گیا جسمیں انبیاء علیہم السلام باندھتے تھے۔ جو آج بھی باب محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہے۔ جس وقت آپ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو فوراً پہلے دو رکعت نماز نفل

تحیتہ المسجد ادا فرمائی۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے کہنے پر آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو امام بنکر نماز پڑھائی۔ یہ نماز بھی نفل ہی تھی۔ تمام انبیاء نے آپکی اقتداء کی اور بعد نماز تمام انبیاء علیہم السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مرتبہ معراج کی مبارک باد دی۔ اور بولے کہ اے نبی مکرم اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ آپکو عطا فرمایا ہے۔ انبیاءؑ میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

اللھم صلِّ علےٰ سیدنا محمد وعلےٰ اٰل سیدنا
محمّد وبارک وسلّم

تاریخ بیتُ المقدس یا مسجدِ اقصیٰ

دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو انقلاب زمانہ سے محفوظ ہو۔ خواہ وہ ایوان شاہی ہوں، یا معبد، فقیر کی جھونپڑی ہو یا مہمانسرائے، یہ انقلاب ہر ایک کو حاوی ہے قدامت وعظمت کے اعتبار سے جن آبادیوں کو صدہا انقلابوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اُنہیں سے جو شرفِ تقدم بیت المقدس کو حاصل ہے۔ دنیا کی کسی دوسری بستی کو حاصل نہیں جسقدر خوفناک طوفان اس پر آئے۔ اور جسقدر انقلاب کی بجلیاں اس پر کوندیں ہیں۔ انکی نسبت سے یہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اِسکی بہار وخزاں کی منزلیں انگنت ہیں گو صدیوں کی غارتگریوں نے اس کو مٹانا چاہا۔ مگر پھر بھی یہ ہزارہا سال سے دُنیا کے نقشے میں اپنی پوری سطوت وشان کیساتھ موجود ہے۔

چونکہ مسجدِ اقصیٰ کا ذکر آیتِ معراج میں واقع ہے۔ جسکو بیت المقدس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسکی بھی مختصر سی تاریخی حیثیت واضح کردیں تاکہ شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں تشریف لیجانا ذہن نشین ہو کر مخالفین کے شبہات کو دور کرسکے۔ مسجدِ اقصیٰ یا بیت المقدس اُس مسجد کا نام ہے۔ جسکو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔ اور اہلِ کتاب اس کو ہیکل کہتے رہے ہیں یہ شام کی پہاڑیوں میں مرتفع سطح پر آباد تھی۔ جسکے ارد گرد سرسبز وشاداب جنگل اور سامنے صحرائے عرب اور بحرِ روم دکھائی دیتے اور اسکا یہ محل وقوع شہرت وعظمت میں بہت اہمیت حاصل کرچکا تھا۔ اس مقدس

گھر کی تمام برکات شہر یروشلم ملک فلسطین میں رہیں۔ جسکو یہودی ارضِ مقدس یا کنعان کہتے ہیں۔ جغرافیہ فرہاد کے صفحہ ۲۲۴ میں ہے۔ کنعان اسم قدیم شام است الآخر۔ کنعان شام کے اُس حصے کا نام ہے جسکے سیلون نام گاؤں میں جو سبحل اور نابلس کے درمیان واقع تھا۔ اور حضرت یعقوبؑ اس میں سکونت پذیر تھے۔ اور یہیں وہ کنواں بھی ہے۔ جس میں بھائیوں کی بے مہری سے حضرت یوسفؑ ڈالے گئے۔ زمانہ قدیم میں اس ملک پر بابل اور نینوا کے سلطان حکمراں تھے۔ شاہانِ نینوی کے عہد میں ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اصلی وطن سے ہجرت کر کے شام میں آئے تھے۔ مگر بعض مورخین یوں بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے بیت المقدس پر مصریوں کا قبضہ ہوا اور سولہویں صدی سے لیکر بیسویں صدی قبل مسیح تک بحرِ روم کے گردو پیش ممالک پر مصری پرچمِ اقبال ہی لہراتا رہا۔ اور سرزمینِ کنعان بھی ان ہی کے زیرِ اقتدار تھی۔ مصریوں کے زوالِ حکومت کے بعد اس پر طوائف الملوکی کا زمانہ آیا۔ اور اس پر کوئی منظم سلطنت قابض نہ ہوئی۔ بلکہ ایک اور قوم کا دور دورہ رہا۔ جو اموری نام سے مشہور تھی۔ اور صنعت و زراعت یا دیگر ذرائع معاش سے اتنا ہی معمولی تعلق رکھتی تھی کہ اپنی ضروریات کو پورا کر سکے۔ یہاں کے باشندے موریہ پہاڑ کی نسبت سے موریہ یا اموری کہلاتے تھے۔ یہ شہر یروشلم کہ جس میں مسجدِ اقصیٰ یا ہیکلِ سلیمانی واقع تھی بحیرہ روم سے تینتیس ۳۳ میل کے فاصلہ پر سمندر کی سطح سے دو ہزار پانچسو اڑتیس فٹ بلندی پر واقع تھا اور قبائل جبوسی یا اموری کے ماتحت کئی صدیوں تک آباد رہا۔ کچھ دنوں بعد کنعان کا ستارہ چمکا اور وہاں ایک مستقل حکومت کا قیام ہو گیا۔ اور پھر ایک فرمانروائے کنعان نے بیت المقدس

پر حملہ کیا اور اپنا تسلط قائم کر لیا۔ جب انکا پرچمِ اقبال بھی سرنگوں ہوگیا۔ تو ان سے تقریباً دو سو سال بعد یہود آکر اس مقام میں آباد ہونے شروع ہوئے مگر ان کی یہ آبادی کوئی فاتحانہ نہ تھی۔ بلکہ عام ساکنین رعایا کی سی تھی۔ عیسائی مورخین نے لکھا ہے کہ شہر یروشلم کا پہلا آباد کار یا بانی ملک صدق تھا۔ جس کا ذکر کتاب پیدائش کے باب ۱۴ ورس اٹھارہ میں یوں ہے کہ ملک صدق سالم کا بادشاہ تھا۔ اور اکثر سمجھتے ہیں کہ یہی اس شہر کا اصلی نام ہے۔ آباد ہونیکے سو برس بعد اسکو یبوسیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا اور شہر پناہ کو بڑھایا۔ پھر کوہ صیحون پر ایک قلعہ بھی تعمیر کیا۔ اسکے بعد اس شہر کا پہلا نام بدلکر یابوس رکھا گیا۔ اور یہی بعد کو یبوسلم اور بگڑ کر یروشلم ہوا جو آجتک مشہور ہے۔ یشوع کی کتاب کے باب دس آیت تیرہ میں لکھا ہے کہ جب یشوع نے کنعان پر حملہ کیا اور یروشلم کے بادشاہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اسوقت سے داؤد کے زمانہ تک یہودی اور یبوسی اکٹھی زندگی بسر کرتے تھے اسی زمانہ میں حضرت داؤد نے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ یروشلم پر حملہ کر دیا۔ اور خونریز جنگ کے بعد بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ وہ یبوسی جو بڑے عرصہ تک اس کو اغیار کی دستبرد سے بچاتے رہے۔ بالآخر وہ بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر ذلت سے مغلوب ہو گئے۔ بک آف کرانیکلز میں لکھا ہے کہ جب حضرت داؤد نے تمام بنی اسرائیل کے لشکرِ عظیم سے یروشلم پر حملہ کیا۔ تو یبوسیوں نے کہا کہ آپ ہمارے ملک پر قبضہ نہ کریں۔ اور واپس تشریف لیجائیں۔ حضرت داؤد نے انکی ایک نہ سُنی۔ اور زبردست حملہ کرنیکے بعد زیون کے قصرِ شاہی پر قابض ہو گئے۔ اور نئی بادشاہت کی بنیادیں استوار کیں۔ زیون کا قصرِ شاہی انکی

آرامگاہ اور یروشلم دارالسلطنت تھا یہی وجہ ہے کہ یہ شہر حضرت داؤد کا شہر بھی کہلاتا ہے۔

گو یہ شہر حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا پایۂ تخت ہونیکی وجہ سے نہایت پُررونق اور باتجمّل تھا۔ لیکن اسکی تقدیس قدیم سے ہی سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ حسب اعتقاد اہلِ کتاب یہ وہ متبرک مقام تھا جہاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسحٰق کی قربانی کی تھی۔ اور اِسی سرزمین پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے خدا سے خواب میں باتیں کی تھیں پھر اسی جگہ خداوندِ تعالیٰ کے حکم و الہام سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد (ہیکل) بنائی جو ہزارہا انبیاء علیہم السلام کا قبلہ اور زیارت گاہ رہی۔ اور اِسی کا قرب وجوار انبیاءؑ کا مدفن اور موردِ برکات ہے۔ تمام اہلِ کتاب اب تک اسکی وادی یہوشفات میں دفن ہونا موجب نجات خیال کرتے ہیں۔ حضورِ علیہ السلام نے بھی بیت المقدس کی جانب رُخ کرکے ایک مدت نماز ادا فرمائی اور شبِ معراج میں اسی جگہ تشریف لاکر آسمان کیطرف صعود فرمایا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں اس شہر کی ترقی اس حد تک ہوئی کہ یہ عروس البلاد کہا گیا۔ دنیا میں اسوقت سب سے بڑا، سب سے مشہور، سب سے آباد۔ خوبصورت۔ اور متموّل۔ اگر کوئی شہر تھا تو بیت المقدس تھا۔ اسکے بعد پھر دورِ انحطاط شروع ہوا۔ چنانچہ عرب اور قرب وجوار کی اقوام نے اس پر متعدد حملے کئے۔ اسیریا اس وقت ایک عظیم الشان سلطنت تھی۔ جسکے تخت پر سیناچیرب بڑی شان و شکوہ سے حکومت کر رہا تھا۔ جس نے ۷۰۵ء سے لیکر ۶۸۱ء تک فرمانروائی کی اسکے مظالم گرد و نواح کے ممالک کو ایک قہرِ خدا تھے۔ یہ اپنے ملک سے نکل

کر بیت المقدس پر حملہ آور ہوا۔ اور تمام شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مسٹر بائرن لکھتے ہیں کہ یہ اسیرین یہاں اسطرح آئے جس طرح ایک خونخوار بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ میں گھستا ہے جو سامنے آیا قتل ہوا۔ محصورین پر ایک خوف وہراس طاری تھا۔ انہوں نے اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کو بارگاہِ الٰہی میں نہایت خشوع وخضوع سے التجا کی درِ اجابت کھل گیا۔ حریف کے ایک لاکھ پینسٹھ ہزار سفاک لشکر میں ایک نامعلوم خفیف سی وبا پڑی جس سے ایک ہی رات میں تمام محاصرین کا خاتمہ ہو گیا۔ سینا چیرب خود ڈر کر بھاگ نکلا۔ مگر اثر پا چکا تھا۔ اس لئے وہ بھی بہت جلد قبر میں جا لیٹا۔ اور اسکے آخری سانس کے ساتھ اسکی عظیم الشان سلطنت کا چراغ بھی گل ہو گیا۔ اسکے بعد ایک صدی کے اندر اندر عراق میں کلدانیوں کی ایک پُر شکوہ سلطنت قائم ہوئی۔ جو مشرک اور ستارہ پرست قوم تھی۔ جسکا دارالسلطنت شہر بابل اور حکمران بخت نصر تھا۔ پھر ۵۸۶ ق م میں بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا جسکے مقابلے میں بنی اسرائیل بھی پوری جرأت کے ساتھ ڈٹ گئے۔ اور دو برس تک محاصرہ رہا۔ مگر رسد کی قلت نے آخر بنی اسرائیل کو مغلوب کرادیا اب یہ محصورین بخت نصر کے رحم پر تھے۔ اُس نے دل کھولکر انتقام لیا۔ شہر کو فتح کرنیکے بعد ایکونیاہ جو تخت کا مالک تھا اور اسکی ماں اور دیگر بیگمات۔ امراء کو حراست میں لیکر ایکونیاہ کی آنکھیں نکلوادیں اور اُسکے بیٹوں کو شاہراہِ عام پر کھڑا کرکے سولی دیدی۔ کئی روز تک شہر میں قتل عام ہوتا رہا۔ اور آخر ایکونیاہ کے عزیزوں میں سے ایک شخص صدقیاہ کو فرمانبرداری کا عہد لکھا کر حکومت دے گیا۔ اور مقتول ومظلوم شاہی خاندان سے بہت افراد کو غلام بنا کر خواجہ سراؤں

میں داخل کر لیا۔ اِن اسیروں کی صف میں حضرت دانیال علیہ السلام اور انکے تین رفیق بھی تھے۔ بخت نصر جب واپس ہوا تو بیت المقدس ایک کھنڈر تھا نہ کوئی معبد اور نہ کوئی نسخہ کلام الہٰی چھوڑا مسجدِ اقصیٰ میں آگ لگادی۔ چالیس ہزار یہودیوں کو ساتھ لیگیا۔ اُس نے یہودیوں کے مٹانے میں تو کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ لیکن محض اتفاق سے ایک یہودی لڑکی اپنے حسن وجمال کی فراوانی کے باعث اسکے محل میں داخل ہو کر اسکی محبوب ترین ملکہ بنگئی جسکی سفارش پر ایک طویل عرصہ دستر برس) کے بعد اِن غلام یہودیوں کو آزادی ملی۔ الغرض بیت المقدس سے بخت نصر کا واپس ہونا تھا کہ گردو نواح کے سرداروں نے اپنی دوستی اور بخت نصر کی بغاوت پر آمادہ کرنیکو سفیر بھیجنے شروع کردیئے۔ اِدھر شاہِ مصر نے ہمت دلائی اور یہ حکمراں صدقیاہ اپنی سلطنت کے نویں سال بخت نصر کے خلاف ہو گیا۔ چنانچہ دو برس بعد بخت نصر کے مقابلہ میں یہ ہزیمت کھا کر بھاگا۔ اور گرفتار ہو کر ایلیہ شہر میں قید کرکے بھیجدیا گیا۔ بعض مورخین نے اسکو ہزنیکیاہ کے نام سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اِسکی آنکھیں پھوڑدی گئیں اور اِسکی اولاد کو سولی دیدی گئی۔ اُسی کے وقت میں ہیکل بھی منہدم ہوئی۔ اور یہ حادثہ حضرت مسیح علیہ السلام سے بقول اکثر مورخین پانچسو چھیاسی ۵۸۶ برس قبل گذرا ہے۔ یعنی ہیکل اپنی تعمیر کے چارسو پندرہ ۴۱۵ برس بعد برباد ہوئی۔ جب شاہانِ بابل کا ایران کے بادشاہ خسرو کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا۔ تو بیالیس ۴۲ ہزار یہودی جنمیں یشوع سردار کاہن اور زرو بابل بھی تھے۔ پھر اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔ اور انکو شہر اور ہیکل کی تعمیر کیلیئے اجازت دے کر معہ اس اسباب ہیکل کے جو بخت نصر کے خزانہ سے دستیاب ہوا واپس بھیجدیا

گیا۔ یہاں پہنچ کر بنی اسرائیل نے اسکی دوبارہ تعمیر شروع کی تو لوگوں کی غمازی سے کمبیس نے روکدیا۔ یہ تعمیر اسی ناتمام صورت میں نو برس رُکی رہی۔ پھر شاہ دارا نے اسکی اجازت دی۔ اور ہیکل سات برس میں اپنی اصلی وضع پر تیار ہو گئی۔ ہیکل کے دوبارہ تعمیر کرنے میں زورو بابل بن سلتائیل اور یوشع بن صدق نے بصورت مہتمم بہت کام کیا۔ تعمیر کے اخراجات اور لکڑی پتھر کی مدد شاہ ایران سے ملتی تھی۔ ہیکل کی تیاری کے بعد بنی اسرائیل نے خوشی منائی، قربانی کی، اور حمد الٰہی کے ترانے گائے۔ نوعمر لوگ ہیکل کی خوشی میں نعرے مارتے اور سن رسیدہ لوگ ہیکل قدیم کو یاد کر کے روتے تھے۔ اسکے بعد ۳۳۲ق م میں سکندر رجب اپنے دارالسلطنت مقدونیہ سے خروج کر کے مشرقی ممالک پر حملے کی غرض سے نکلا اور اسی سلسلہ میں۔ فارس، مصر، اسیریا، عراق، فلسطین کو بھی پامال کرتا ہوا بیت المقدس پر جا پڑا۔ تو یہودی چونکہ پہلے ہی حالات سے خوفزدہ تھے۔ سکندر کے آتے ہی انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور اس طرح تباہی سے بچنے کی سعی کی گئی۔ مگر مقدر اُنکا اُنکے خلاف تھا۔ ابھی بارہ سال بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ مصریوں نے اس پر یورش کی اور قبضہ کر لیا۔ اہالیانِ شہر نے ہر چند مصالحانہ رویہ اختیار کیا مگر انہوں نے قابض ہونیکے بعد اسکے ایک حصہ کو منہدم کر ہی دیا۔ اسکے بعد ایک صدی امن سے گذر گئی۔ پھر سکندر کے بعد ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور اینٹوگونس نامی ایک شخص نے سکندر کی وفات کے تینتیس ۳۳ برس بعد شہر انطاکیہ آباد کر کے اسکو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ یہ سلطنت یونانی مشہور ہوئی۔ اور اس خاندان کے بادشاہ انیٹوکس کہلاتے تھے۔ انکی اور مصر کے بادشاہوں اُتالمی خاندان کی آپس

یں ہمیشہ لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ یہودی بیچارے اِن دو پتھروں میں پسا کرتے تھے۔ آخرکار انیٹوکس چہارم کا تسلط یروشلم پر ہو گیا۔ پھر اسکے بعد اسکا بھائی سیون اپنے بھائی پر حملہ آور ہوا اور حضرت مسیح سے ایکسو ستر برس پیشتر بیت المقدس پر چڑھ آیا۔ ہزارہا یہود کو قتل کرنیکے علاوہ ہزاروں کو قید کر کے بھی لیگیا۔ اور ہیکل کی سخت توہین کی۔ اسکے بعد اس نے مصر پر حملہ کیا۔ جسمیں یہود نے شاہِ مصر کی طرفداری کی اور انکی اعانت سے شاہ مصر کامیاب رہا۔ اور شاہِ انطاکیہ شکست کھا کر پسپا ہو گیا۔ تب اس نے یہودیوں سے اس طرفداری کا انتقام لینے کی غرض سے اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ بیت المقدس (جو یہودیوں کا مسکن اور متبرک مقام ہے) کو برباد کر دے۔ چنانچہ اس نے آکر قتل عام کیا۔ اور شہر میں آگ لگانے کے علاوہ بہت سے حصے کو تباہ کر دیا۔ مگر اسکی دستبرد سے ہیکل کو ضعف نہ پہنچا پھر انیٹوکس کو انطاکیہ پہنچنے پر یہ خبط سمایا کہ سب لوگوں کو اپنے مذہب بت پرستی پر چلاوے چنانچہ اس نے اپنے نائب اسینیوس کو (جسے ایپی فانس بھی کہا گیا ہے) یہودیوں پر حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ اور حکم دیا کہ جس مذہب والے بت پرستی نہ کریں۔ انکو قتل کر دیا جائے۔ جنرل ایپی فانس نے بیت المقدس پہنچکر چند بے دین یہودیوں کو اپنا شریک کر کے عوام کو بت پرستی پر مجبور کیا اور تمام کتب یہود کو تلاش کر کے جلا دیا اور ہیکل میں شطرنج نما مورتی بنا دی پھر جس نے اسکے حکم کی تعمیل کی وہ جان بر ہوا ورنہ قتل کر دیا گیا۔ پھر مسیح سے ایک سو سرسٹھ برس قبل اسمونی خاندان کا ایک بوڑھا کاہن جسکا نام متاتھیس کہا گیا ہے۔ اپنے پانچ بیٹوں یوحنا، شمعون، یہودا، الیعاذر، یونتان کو ہمراہ لیکر یروشلم سے بھاگ نکلا

اور اپنے اصل وطن شہر مودن میں آ رہا۔ یہاں بھی انیٹوکس کے آدمیوں نے اُسکا تعاقب کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُسکے بیٹے مقابوس نے اپنی منتشر قوتوں کو جمع کیا۔ اور مخالفین کو پے در پے شکستیں دے کر انکے ہاتھ سے بیت المقدس کو آزاد کرا لیا۔ تمام تر بُت توڑ ڈالے اور بُت پرستوں سے وہی سلوک کیا جو انہوں نے اپنے عروج کے وقت توحید پرستوں سے کیا تھا۔ یہی وہ شخص ہے جسکی دو کتابیں مقابیس اول و مقابیس ثانی عبرانی زبان میں تصنیف شدہ یونانی و سریانی اور رومن کیتھلک عیسائیوں کی مذہبی اور آسمانی کتب کے مجموعہ میں شمار کی جاتی ہیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد رومیوں نے زور پکڑا جسکا پایۂ تخت شہر رومہ ملک اٹلی تھا۔ اور یہ سلطنت مظلوم کی اعانت میں مشہور تھی۔ چنانچہ مقابوس نے سلطنت انطاکیہ کے ظلم و تعدی سے بچنے کیلئے رومیوں کے پاس اپنے ایلچی روانہ کئے اور اس نئی سلطنت سے اتحاد پیدا کر لیا۔ جسکا انجام یہ ہُوا کہ ڈیمٹریوس گورنر۔ انیٹوکس نے یروشلم کو آگھیرا۔ اور رومیوں کی جانب سے کوئی مدد نہ پہنچی تو مقابوس کو اسکے ہمراہی بھی جواب دیگئے آخر کار اکیلا مقابوس لڑ کر شہید ہو گیا اسکے بعد مقابوس کا بھائی یونتان ذمہ دار تھا۔ جس نے یہودیوں کو اغیار کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کی بڑی سعی کی۔ لیکن تھوڑے عرصہ میں شاہِ سریا کے ہاتھ سے شہر بطولیمس میں مارا گیا۔ اسکے بعد تیسرا بھائی مسمی شمعون قائم مقام ہُوا اور اپنے داماد کے ہاتھ سے یریسیو شہر میں جبکہ وہ کسی مہم سے واپس آ رہا تھا دغا اور فریب سے مارا گیا۔ اور اسکے ساتھ ہی قریباً قریباً انکا اقتدار بھی ختم ہو گیا۔

پھر ۶۳ میں رومی فرمانروا ٹیٹس ایک عظیم الشان لشکر لیکر بیت المقدس

تعمیل میں شاندار فتح بھی حاصل کی۔ مگر شہر میں اس طرح داخل ہوئی جس طرح نسیم سحری گلشن میں داخل ہوتی ہے نہ تو کسی معمولی سی معمولی عمارت کی ایک اینٹ گری اور نہ کسی کمزور سے کمزور انسان کے خون کا ایک قطرہ بہا۔ یہ حملہ بیت المقدس اور اہالیانِ شہر کیلئے کوئی بربادی و غارتگری کا پیغام نہ تھا۔ بلکہ باشندگانِ شہر کی قسمت کو مژدۂ جان بخش اور نویدِ فرحت افزا تھی وہ باوجود غلام ہونیکے ہر قسم کی پابندیوں اور ظالمانہ دستبرد سے آزاد ہو کر راحت و آرام اور انسانی بادشاہت کے صحیح مفہوم سے پہلی مرتبہ آگاہ ہوئے۔ اور سرزمین بیت المقدس نے مسیح علیہ السلام کے اس قول کے تصدیق کا اب یہ وقت پایا۔ جو انہوں نے فرمایا تھا کہ جب تک غیر قوموں کا وقت پورا نہ ہو۔ ہیکل یا یروشلم غیر قوموں سے روندی جائیگی۔ الآخر اُس درس کا مطلب عیسائیوں نے یہ سمجھا ہے کہ بیگانہ قوم اس ہیکل یا یروشلم کو تعمیر نہ کر سکیگی۔ چنانچہ نپولین قیصر غیر تھا۔ یعنی بت پرست۔ اِسلئے وہ آباد نہ کر سکا۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ جس آخری اور پیغام الٰہی کی ذمہ دار قوم نے اسکو تعمیر کیا۔ وہ بقولِ مسیح علیہ السلام غیر نہ تھی۔ بلکہ اللہ کی مقبول تھی اور وہ قوم مسلمان تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اسلام سے قطع نظر کرتے ہوئے مخالفوں کے سکوت کیلئے عیسائی مورخوں کی رائے سے اہلِ اسلام کا داخلۂ بیت المقدس یہاں ذکر کر دیا جائے۔ تاکہ دنیا پرستوں کی ہوس رانی اور خونریزی کے مقابلہ میں ایک ہمدرد بنی نوع انسان اور حق پرست قوم کے اعمال کا موازنہ ہو سکے۔

سرکار رسالتمآب کے دُنیا سے تشریف لیجانیکے بعد خلیفۃ المومنین حضرت

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد تقرر خلافت ایک لشکر جمع فرمایا اور ۶۳۲ء میں مُلک شام میں اعلائے کلمۃ اللہ کا قصد کیا اور یزید بن ابی سفیان کو امیر لشکر بنا کر بہت سی نصائح فرمائیں اور روانہ فرمادیا۔ شاہ ہرکلیس (ہرقل) نے اپنی رعیت کو لڑائی کیلئے بہت کچھ اشتعال دلایا۔ مگر وہ تمام سعی بے سود ثابت ہوئی یزید نے متواتر اپنی فتحیابی کی خبریں دربارِ خلافت میں پہنچا کر اپنی کارکردگی اور جانثاری کا ثبوت دیا۔ اسکے بعد خلافتِ اسلامیہ کے دربار سے تسخیر بیت المقدس کیلئے ایک اور لشکر روانہ کیا گیا جس نے شہر بصرہ کو فتح کیا اور چار دن بعد ہی سراسن دمشق کی دیواروں پر پہنچ گئے۔ یہ شہر بھی بڑا بارونق اور شام کا قدیم دارالخلافہ ہے۔ اہلِ اسلام سے مقابلہ ہوا۔ انکی وہ فوجیں جو شام اور بیت المقدس، کی فتح کیلئے پھیل چکی تھیں۔ ایزناڈن کے میدان میں مجتمع ہوگئیں۔ یونان کے ستر ہزار کار آزماجوان مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے صلح کے پیغاموں کو اس شرط پر کہ عرب واپس اپنے وطن کو لوٹ جائیں قبول نہ کیا اور لشکر کو جنگ کی ترغیب دیکر آمادۂ پیکار کر لیا۔ طرفین میں گھمسان کا رن پڑا۔ یونانی پسپا ہوئے کچھ مارے گئے اور جو بچ رہے وہ دمشق اور قیصریہ کو بھاگ نکلے۔ اہلِ اسلام نے سونے چاندی کی صلیبوں اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ مورخین نے مقتولین کی فہرست میں پچاس ہزار عیسائی اور چار سو ستر مسلم شہداء کا تذکرہ کیا ہے۔

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دمشق فتح ہونے سے قبل ماہ جولائی ۶۳۲ء میں انتقال فرمایا اور موت سے پہلے وصیت فرمائی کہ میرے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے انکا

کیا کہ مجھے اسکی آرزو نہیں ہے۔ لیکن خلیفہ اول کے ارشاد پر آخر قبول فرمالیا۔ پھر آپکے عہد میں لشکرِ اسلام نے شہر حمص اور بعلبک کو ۶۳۵ئہ میں فتح کیا اور یرموک ندی کے کنارے شاہِ استنبول اور اسکے حمایتوں سے مقابلہ ہوا۔ رومی سواروں کے حملوں سے قریب تھا کہ مسلمان بھاگ جائیں۔ مگر قوم حمیر کی عورتوں کے ملامت کرنے سے پھر رگِ حمیت جوش میں آئی اور رومیوں کو تلواروں کی نوکوں پر دھر لیا۔ بہت سے رومی میدان میں ڈھیر ہوئے بہت سے دریا میں ڈوب مرے باقی پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ چونکہ اب حلب و یروشلم کا نگہبان بجز اِس مغلوب لشکر کے اور کوئی نہ تھا۔ اسلئے خلیفۃ المومنین کے حکم سے بیت المقدس کا محاصرہ کیا گیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام لشکر کیساتھ شہر کا محاصرہ کر لیا اور یروشلم کے رؤساء کو بدین مضمون ایک مراسلہ بھیجا۔ سلامتی اور مسرت اُن لوگوں کو ہے جو راہِ راست پر چلیں اللہ اور اسکے رسول علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ ہم تم سے اِس امر کی تمنا رکھتے ہیں کہ تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ۔ اور ہمارے بھائی بنجاؤ پھر ہم پر تمکو اور تمہارے بال بچوں کو ایذا دینا حرام ہوگا اور اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو ہمکو خراج دو اور ہماری پناہ میں رہنا اختیار کرو۔ اگر اسکو بھی قبول کرنے سے گریز کرو گے۔ تو تمہارے مقابلہ میں وہ لوگ آئینگے جو تمہارے شراب پینے اور خنزیر کھانے سے شہید ہونے کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور ہم بغیر فتح کے انشاء اللہ تعالیٰ یہاں سے نہیں ٹلینگے۔

اس کے بعد مسلمان چار ماہ تک باوجود شدّتِ سرما کے شہر کو گھیرے رہے۔ آخر پادری سوف رومینس نے شرطِ صلح کو قبول کیا اور کہا یہ پاک جگہ

ہے۔ اسکو میں سوائے خلیفہ کے اور کسی کے سپرد کرنیکو تیار نہیں ہوں۔ آخر قائد لشکر کی جانب سے خلیفۃ المومنین کو عرض کیا گیا کہ شہر کے محاصرے کا نتیجہ آپکے تشریف لانے پر موقوف ہے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مشورے سے خلیفۃ المومنین بسوئے بیت المقدس روانہ ہوئے۔ خلیفۃ المومنین کا یہ سفر باوجودیکہ دُنیا کے اہم ترین مقاصد کیلئے تھا۔ مگر سادگی اور پاسداری مذہب میں اپنی نظیر آپ ہے جس کا نقشہ مورخ اوکلی نے اِن الفاظ میں کھینچا ہے کہ خلیفۃ المومنین نے پہلے تو مسجد میں نماز پڑھائی پھر بعد زیارت مزار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی جگہ پر مقرر فرمایا۔ اور چند رفیقوں کیساتھ باہر نکلے جو تھوڑی سی دور سے واپس لوٹ آئے پھر آپ ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار ہوئے۔ دو تھیلے ساتھ رکھے۔ ایک میں جو کے ستّو اور دوسرے میں کچھ کھجوریں تھیں اور لکڑی کی سینی یعنی طباق اونٹ کے پیچھے باندھ لیا پانی کا مشکیزہ آگے لٹکا کر روانہ ہو گئے۔ جس مقام پر شب باشی فرماتے وہاں سے صبح کی نماز پڑھکر آگے چلتے اور ہمراہیوں کو مخاطب فرما کر خداوند عالم کی حمد و ثنا فرماتے رہتے کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہمکو گمراہی سے بچایا اور صراطِ مستقیم پر چلایا۔ مخالفوں پر غلبہ عطا کیا اور آپسمیں محبت دی۔ تم بھی اس کا شکر کرو۔ کیونکہ جو شکر کرتا ہے۔ اس پر اللہ کی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ پھر طباق ستوؤں کا بھر کر بڑی فراخ دلی اور محبت سے اپنے مصاحبونکے ساتھ تناول فرماتے۔ اسی سفر میں ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہُوا۔ جس نے دو بہنوں سے شادی کر رکھّی تھی آپ نے اسکو ایک کے ترک کرنیکا حکم دیا۔ پھر ایک شخص ریشمی لباس پہنے پیش کیا گیا۔ اسکو اس عیاشی کے لباس سے منع فرمایا۔ اور کئی ایک باجگزاروں کو دھوپ

میں بیٹھا دیکھا۔ اُن پر رحم فرما کر رہائی دی۔ اور اکثر علما کو رحمدلی کی تاکید فرمائی۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو نعرۂ اللہ اکبر لگایا۔ اور ایک موٹی اُون کے خیمہ میں زمین پر بیٹھ گئے رئیس قوم نصاریٰ نے اپنے سرداروں سے کہا اِن لوگوں سے بغیر آسمانی امداد کے مقابلہ کرنا بیفائدہ ہے۔ انکے رسول علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ حلم وحیا و تابعداری کو عمل میں لادیں اور اِن اوصاف سے ترقی پذیر ہو گئے۔ تھوڑے دنوں میں تمامتر قوانین پر ان کی شریعت کو غلبہ ہوگا۔ انکی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیل جائیگی اسکے بعد شرائط صلح منظور ہوگئیں اور شہر کے دروازے کھولدیئے گئے خلیفۃ المومنین معہ رؤساء نصاریٰ کے باتیں کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور عبادت گاہ سلیمان علیہ السلام پر خلیفۃ المومنین کے حکم سے ایک نہایت عمدہ مسجد تعمیر کرائی گئی۔ خلیفۃ المومنین کا قیام دس یوم تک وہاں رہا۔ پھر مراجعت مدینہ منورہ فرمائی۔ حضرت عمر خلیفہ ثانی رسول اللہ علیہ وسلم کی بنوائی ہوئی مسجد مدتوں قائم رہی اور ملک شام معہ اپنے اس مشہور شہر یروشلم کے آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ اتنی طویل مدت نہ تو بنی اسرائیل نے اس پر حکومت کی اور نہ کسی اور قوم نے۔ جسقدر رب العزت نے اہل اسلام کو مہلت دی۔ خلفاء اربعہ کے بعد ملک شام میں دمشق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پایۂ تخت قرار پایا۔ اور ایک عرصہ تک یکے بعد دیگرے بنی امیہ کے حکمراں ہوتے رہے۔ انکے بعد حضرت عبد اللہ بن عباس کی اولاد میں سلطنت آئی۔ خلفاء عباسیہ ماموں رشید و ہاروں رشید وغیرہ رحمہم اللہ نے اپنے عہد میں یورپ کے اور ملک بھی ماتحت کر لئے تھے۔ اِن کا دار السلطنت شہر بغداد تھا۔ ایران، عرب، مصر، شام سب انکے ماتحت تھے

لیکن ۲۹۶ھ میں مصر میں ایک شخص مہدی نام نے خلفاء عباسیہ کے برخلاف اپنی خلافت قائم کی یہ شخص اپنے آپ کو امام حسین کی اولاد سے شمار کرتا تھا۔ اور پیچھے بعد دیگرے اسکی اولاد سے بھی چودہ خلیفے ہوئے۔ یہ سلطنت ۵۶۷ھ تک رہی اور اسکا آخری خلیفہ عاضد الدین اللہ ابو محمد عبداللہ تھا۔ جسکی خلافت کا خاتمہ سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب کے ہاتھ سے ہوا جو انہی کے دربار میں پہلے بہ حیثیت وزیر تھا۔ یہ اپنے چچا شیرکوہ کے ساتھ سلطان نورالدین محمود شاہ کے ہمراہ شام کی جانب سے جو متعلقین سلاطین سلجوقیہ میں سے تھا آیا تھا۔ اور اپنے کو خلفاء عباسیہ کا ماتحت بیان کرتا تھا۔ بعدازیں مسلمانوں کی باہمی نفاق پذیری اور طوائف الملوکی نے عیسائی سلطنتوں کو جرأت دلائی وہ بیت المقدس کی تسخیر کا حوصلہ کرنے لگیں اور صلیبی جنگوں کی ابتداء ہو گئی۔ جسے تاریخ پوری طرح بیان کرتی ہے۔ تخمیناً دو سو برس متواتر عیسائیوں کے حملے ہوتے رہے جنکا خاتمہ چنگیز خاں کے پوتے کے بعد اسکی نسل میں اسلام لانے سے ہوا اور عیسائیوں کے دلوں سے یہ ہوس نکل گئی کہ وہ بیت المقدس پر قابض ہو جائیں۔ چنانچہ آج تک اس بابرکت شہر کی ذمہ داری اہلِ اسلام کے ہی قبضہ میں ہے۔ گو عیسائیوں کا اقتدار نصف النہار پر دکھائی دیتا ہو۔

عروج الی السماء یا سیر افلاک

رہ گئے چرخِ چہارم پہ جنابِ عیسیٰ
طے کئے ہفت سماوات کے میدان تو نے

نبوت کا بارھواں سال اُفقِ عالم پر ضیاء ریز ہے۔ رجب کی ستائیسویں رات وہ رات ہے۔ جسکی نورانیت نواز ظلمت پر آفتاب و ماہتاب کی روشنی قربان ہو رہی ہے۔ شب کا نصف کے قریب حصہ گذرنیوالا ہے۔ اور وہ مبارک وقت آنے والا ہے۔ جبکہ مولا کریم کی ستار العیوبی و کرم نمائی اپنی تمام تر صفات کیسا تھ آسمانِ دُنیا پر نزولِ اجلال فرماتی ہے اور سیاہ کاروں و معصیت شعاروں کو اپنے دامنِ رحمت میں ڈھانپ لینے کیلئے بیقرار ہوتی ہے۔ مگر عیش و عشرت کا فریفتہ اور بندۂ حرص و ہوا انسان دن کی نورانی رونقوں اور فانی عمر کی گرانمایہ فرصتوں کیلئے مئے احمر کی سرخیوں کی تلاطم خیزیوں اور جنون انگیز کیفیتوں، بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں میں گذار کر ناعاقبت اندیشی کی چادر تانے محوِ خواب ہو جاتا ہے۔ اس دلکشا و فرحت افزا رات کی تاریکی تمام عالم پر چھائی ہوئی ہے۔ سقائے فلک اپنی سیاہ مشک سے تمام عالم کو تیرگی سے مؤثر کئے آب پاشی کر رہا ہے۔ لاتعداد چراغ سماوی ہیں جن سے پُر اسرار ضیائیں منتشر ہو رہی ہیں۔ ملاءِ اعلیٰ کی نورانی فضاؤں میں ناقابلِ اظہار مسرتیں اور بیتاب تمنائیں رقص کناں ہیں۔ اور حُسنِ کائنات ردائے عریاں میں مستور آسمان کے لطیف نقاب سے دُنیا کیطرف دیکھ رہا ہے۔ ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ کسی حسین خوش خرام کا انتظار ہے۔ ہاں مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں وہ حُسن کی کان، جہان کی جان، مارحمتِ منان، فخرِ انس وجان، امام الرُسل تاجدارِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت ملائکہ و انبیاء علیہم السلام سے ابھی فارغ ہوئے ہیں۔ اور حضور رب العالمین میں شرف باریابی حاصل کرنیوالے ہیں۔ روح الامین سیدنا حضرت جبرائیل عرض کرتے ہیں کہ اے سلطانِ کونین اب خطۂ خاک سے جانبِ افلاک تشریف لیچلئے کہ کرّوبیانِ ملاءِ اعلیٰ و مستجابانِ عالم بالا مدت سے دیدار فرحت آثار حضور کے منتظر اور چشم براہ ہیں۔ براق پر سوار ہو جئے اور عاشقانِ ازلی کو دیدار سے مشرّف فرمائیے۔ صحیحین میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہٗ نے حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہما سے اور حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن صعصعہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پھر مجھکو حضرت جبرائیل علیہ السلام لیچلے۔ یہانتک کہ پہلے آسمان تک پہنچے۔ اور جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ اور آسمانِ اول کے نگاہبانوں نے پوچھا کون ہے کہا جبرائیل ہوں۔ نگہبان فرشتوں نے کہا کہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ جبرائیل نے کہا۔ محبوبِ خدا محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا وہ بلوائے گئے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ہاں۔ فرشتوں نے کہا مرحبا آپ کا تشریف لانا مبارک ہو۔ فرشتوں نے دروازہ کھولا۔ جب میں آسمان اول کے اندر داخل ہُوا۔ تو میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ انکو سلام کیجئے۔ چنانچہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر کہا کہ نیک

بیٹے اور نیک بنی کیلئے یہ مرتبہ مبارک ہو۔ یہاں ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ یہ آسمان کیا ہے اور انکا وجود بھی ہے کہ نہیں۔ جسکے سمجھنے کیلئے بعض کوتاہ اندیش تشویش میں پڑ جاتے ہیں۔ اسکا مختصر جواب بخوف طوالت کتاب یوں سمجھئے کہ قرآنِ پاک و دیگر تمام کتب سماوی نے آسمانوں کا ذکر کیا ہے اور بار بار کیا ہے جب تک کسی چیز کا وجود نہ ہو۔ نام نہیں رکھا جاتا۔ نیز جس سے انکار کیا جاتا ہے تو یہی انکار اسکے وجود کی عین دلیل ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ چیز ہے ہی نہیں۔ تو انکار کس شئے سے ہو رہا ہے۔ حکماء سے ایک حکیم فیثا غورث اور اسکی تقلید میں اسکے بعض شاگردوں نے آسمانوں کے وجود سے انکار کیا ہے۔ اسکے سوا کوئی دوسرا آسمان کا منکر نہیں۔ تو فقط ایک حکیم فیثا غورث کے انکار سے آسمانوں کا عدم ثابت نہیں ہو سکتا۔ آسمانوں کا وجود ایک مسلہ امر ہے۔ ہزاروں برس سے بڑے بڑے حکماء و علماء، سائنسدان و فلاسفر، تمام جہان کے عقلا، فلسفے کے موجد یونان کے دانا آسمانوں کے وجود کے قائل ہیں۔ انکے علاوہ حضرات انبیاءؑ علیہم السلام پر جو وقتاً فوقتاً صحائف و کتب کا نزول ہوتا رہا۔ وہ سب کی سب آسمان کا وجود بڑے زور سے ثابت کرتی ہیں۔ پس جس چیز پر جہان بھر کے علم نیز ارضی و سماوی کتابیں شاہد ہوں۔ وہ چیز بغیر کسی اتنی ہی ٹھوس دلیل کے کیونکر رد ہو سکتی ہے۔ محض یہ کہدینا کہ اگر آسمان ہے تو نظر کیوں نہیں آتا۔ کچھ وقیع امر نہیں ہے کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں صفحۂ دنیا پر وجود پذیر ہیں۔ جنکو انسان باریک سے باریک اور اعلیٰ سے اعلیٰ دوربینوں سے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ زمینوں پہاڑوں اور سمندروں کی تہ میں ایسی ایسی ہزارہا چیزیں مخفی اور پوشیدہ ہیں جنکا پتہ لگانا

دشوار ترین امر ہے۔ لالٹین یا لمپ میں نہایت شفاف شیشے کی چمنی لگی ہوتی ہے مگر جب لالٹین جلائی جائے تو دور سے دیکھنے والے کو چمنی نظر نہیں آتی اور بتی کی روشنی نظر آتی ہے تو کیا چمنی کا نظر نہ آنا دوسرے دیکھنے والے کی کوتاہ نظری پر چمنی کے عدم کی دلیل ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ چونکہ آسمان بھی شیشۂ شفاف کیطرح صاف اور حدِ نظر سے بہت دور ہے۔ اس لئے نظر نہیں آتا۔ تو اسکا وجود نظر میں نہ آنا یا کما حقہٗ اس پر نگاہ کا حادی نہ ہونا اسکے معدوم ہونیکا ثبوت نہیں۔ بعض حکمائے قدیم کے خیال میں یوں ہے کہ آسمان پیاز کے چھلکوں کی طرح پرت در پرت ہیں اسوجہ سے پھٹ جانے یا جڑ جانیکے قابل نہیں اسکا جواب یہ ہے کہ وہ قائل ہو کر بھی ایک شبہ میں پڑ گئے۔ جسکی ابتداء حکیم بطلیموس کی تقلید سے ہوئی ہے وہ آسمانوں کے ٹھوس اور سخت ہونے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہونے کا قائل تھا۔ اسی کے نکالے ہوئے نظام کو بعض مسلمانوں نے بھی عربی زبان میں نقل کیا ہے۔ حالانکہ خود حکماء نے ہی اس نظام کو باطل اور غلط کر دیا ہے اور آسمانوں کا ایسا ٹھوس جسم جس میں کوئی چیز پھر نہ سکے مردود ہو گیا۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس میں ہزاروں ستارے، چاند و سورج گردش کرتے ہیں اگر آسمان ٹھوس ہوتے۔ تو ستاروں کی گردش کیونکر ممکن ہوتی۔ اور اگر یہاں یہ بھی مان لیا جاوے کہ آسمان ٹھوس اور سخت اجسام ہیں تو یہ کیسے اور کہاں سے معلوم ہوا کہ ان میں دروازے اور راستے نہیں۔ یا یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ وہ پھٹنے اور جڑنے کے قابل نہیں۔ چونکہ اس بارے میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ نامعقول ہونیکے علاوہ مخدوش بھی ہیں۔ اسلئے کوئی ذی فہم ان کو قبول

نہیں کرسکتا۔

اور سُنیئے۔ بندوق کے نشانہ کے سامنے ایسی کوئی چیز جیسے لوہے کی چادر ہوتی ہے۔ جو اسکی قوت حیثیت کے موافق ہو درمیان میں حائل کردیجئے اور جب بندوق گولی پھینکے گی تو وہ گولی اس لوہے کی چادر کو چیر کر نکل جائیگی۔ گولی کو اس قسم کی کوئی چیز بھی نہیں روک سکتی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو خود تبارک وتعالیٰ ہی عروج دے رہا تھا۔ جو تمام طاقتوں کا مالک اور بہت بڑا طاقتور ہے۔ آسمانوں کی کیا حقیقت تھی جو امرِ الٰہی کا خلاف کر کے آپ کے مانع آسکتے۔ اسکے علاوہ جب آسمانوں میں دروازے ہونیکا عدم ثابت نہیں اور اُنکے پھٹنے جُڑنے کا امکان بھی ہے۔ تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتوں آسمانوں کا طے کر کے عرشِ اعظم تک اور لامکان تک پہنچنا محالات سے اور بعید از قیاس کیوں سمجھا جائے۔ بلکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کے متعلق جو احادیث فرمائی ہیں۔ اِن سے آسمانوں میں دروازوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایک حدیث صحیحین میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ فانطلق بی جبرائیل حتیٰ الی السماء الدنیا فاستفتح الاخر یعنی پھر مجھکو جبرائیل لیچلے۔ یہانتک کہ آسمان دُنیا (آسمان اول) تک پہنچے۔ جبرائیل نے دروازہ کھلوایا۔ اسی طرح آگے چلکر اور دروازوں کا جو ساتوں آسمانوں میں ہیں۔ انہی احادیث معراج میں ذکر فرمایا ہے۔ بہرحال اس حدیث سے آسمانوں میں دروازوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی سے آپ کا مع الجسد آسمانوں پر جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔ مگر مسلمانوں میں جہاں اور بہت

سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ وہاں یہ ایک بہت بڑی خرابی بھی ظہور میں آچکی ہے۔ جس سے ایمان نور ہنتا ہی نہیں۔ وہ یہ کہ اگر انکے سامنے کسی بات کے ثبوت کیلئے قرآنِ پاک کی کوئی آیت یا حضور علیہ السلام کی کوئی حدیث پیش کیجائے تو باستثنائے چند اہلِ ایمان جاہل ناک بھویں چڑھانے لگتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی حکیم یا فلاسفر کا قول خواہ وہ غیر مسلم ہی ہو یا سائینس کا کوئی نظریہ پیش کیا جاتاہے تو بلا حیل وحجت صدق دل سے اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ خیر یہ وہ جانیں۔ ہمارا کام رجوع الی الخیر کرانا ہے۔ توفیق اثر خدائے قدوس کے ہاتھ ہے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے ملکر میں جبرائیل علیہ السلام کیسا تھ آسمان دوئم تک پہنچا۔ جبرائیل علیہ السلام نے دوسرے آسمانکا دروازہ کھلوانا چاہا۔ وہاں کے بھی دربانی فرشتوں نے دریافت کیا کہ کون ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا ئیں ہوں۔ فرشتوں نے کہا تمہارے ساتھ کون ہے۔ جبرائیل بولے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا آپ بلوائے گئے ہیں۔ جبرائیل نے کہا ہاں بلوائے گئے ہیں۔ فرشتوں نے کہا مرحبا۔ آپکا تشریف لانا مبارک ہو۔ پھر دروازہ کھولا جب مَیں آسمان دوئم میں داخل ہوا۔ تو میں نے دونوں خالہ زاد بھائیوں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے دونوں بھائیوں کے نام بتائے کہ یہ حضرت یحییٰ اور یہ حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ آپ ان دونوں پر سلام دیجئے۔ چنانچہ میں نے انکو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا کہ نیک بھائی اور نیک نبی کو یہ رتبۂ معراج مبارک ہو۔ الغرض آپ بطریق مذکور دوسرے سے تیسرے اور

تیسرے سے چوتھے اور پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان پر تشریف لیگئے۔ ہر ایک آسمانکے دربانسے اور جبرائیل علیہ السلام سے مکالمہ ہوکر دروازہ کھلتا رہا۔ اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام۔ چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں پر حضرت ہارون برادر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوتی گئی۔ اور جبرائیل علیہ السلام نے سب سے تعارف کرایا۔ اور سلام کرنیکو کہا۔ اور سب کی طرف سے سلام کا جواب اور نیک بھائی ونیک بنی کو یہ قرب اتم مبارک ہو سُنا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگرچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ساتوں آسمانوں پر تشریف لے جانا الگ الگ بالتفصیل ذکر فرمایا ہے۔ مگر میں کتاب کے طوالت کے خوف سے مجملاً عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسی وجہ سے میں نے حدیث شریف کا عربی متن بھی نہیں پیش کیا۔ صرف اسکے با محاورہ ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جب آپ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرکے ساتویں آسمان کیجانب تشریف لیچلے تو حسرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے جب فرشتوں نے رونیکا سبب دریافت کیا تو حضرت کلیم اللہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ میرے بعد اس ایک ایسے نوجوان فرزند محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ نے نبی بناکر مبعوث فرمایا کہ قیامت کیدن جسکی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی جب حضور ساتویں آسمانکے فرشتوں اور جبرائیل علیہ السلام کی گفتگو ہونیکے بعد دروازہ کھلنے پر ساتویں آسمانمیں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ بیت المعمور سے تکیہ لگائے تشریف رکھتے ہیں جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں انکو سلام کیجئے میں نے سلام کہا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا اور ساتھ ہی فرمایا مرحبا

با ابن صالح و نبی صالح۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے کہو کہ بہشت کی زمین قابل زراعت ہے لہذا وہ اس میں کاشت کریں۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کیونکر کاشت کریں۔ حضرت خلیل اللہ نے فرمایا کہ۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ الخ۔ بکثرت پڑھا کریں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند کیا گیا اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ سدرہ بیر کا ایک درخت ہے۔ اسکے پھل مثل قلال ہجر۔ یعنی مٹکونکے برابر اور پتے اسکے مثل گوش فیل کے ہیں۔ جبرائیل نے کہا کہ یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے ۔ اس بیر کی بحث میں بعض کور باطن اعتراض کرتے ہیں۔ جسکا جواب ہم نے اعتراضات کے باب میں مفصل دیا ہے) اور دیکھا کہ چار نہریں جاری ہیں۔ دو باطن ہیں اور دو ظاہر ہیں۔ میں نے کہا اے جبرائیل یہ کیا ہیں۔ کہا کہ دونوں باطن نہریں کوثر و سلسبیل جنت میں ہیں۔ اور دونوں ظاہر والی نیل و فرات ہیں۔ پھر میری طرف کو بیت المعمور اٹھایا گیا۔
حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حسن بصریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث مرفوع بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور کو دیکھا کہ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور وہ اپنی جنس کی کثرت کے باعث پھر دوبارہ عود نہیں کرتے۔ پھر قتادہؒ نے حدیث انس کو بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر میرے پاس ایک پیالہ شراب کا ایک دودھ کا اور ایک شہد کا لایا گیا۔ پس میں نے دودھ پی لیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا بس یہی فطرت ہے۔ جس پر آپ اور آپکی امت ہے، اور آپ نے فرمایا۔ کہ سدرۃ المنتہیٰ اسکو اسلئے کہا جاتا ہے کہ یہ مقام فرشتوں کے لئے انتہائی

عروج کا مقام ہے ۔ اِس سے آگے نہیں جا سکتے ۔ یہاں پر جبرائیل علیہ السلام بھی ٹھہر گئے اور دست بستہ عرض کرنے لگے ۔ کہ یا حبیب ذوالجلال اب اس مقام سے آگے ایک بال برابر بڑھنے کی مجھ میں تاب نہیں ہے ۔ کیونکہ ؎

بڑھوں گا جو آگے میں اک بال بھر
تجلی سے جل جائیں گے بال و پر

یا حضرت آپکے سوا کسی کی طاقت نہیں کہ آگے بڑھ سکے ۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے رخصت ہوتے وقت دریافت فرمایا کہ اگر کوئی آرزو ہو تو بیان کرو ۔ میں اسکو حضور رب العزت میں منظور کراؤں ۔ اسی وقت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حرف اسقدر تمنا رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میں اپنے بازو پلصراط پر بچھا دوں تاکہ آپکی امت اس پر سے آسانی سے گذر جائے ۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ناگاہ غیب سے آواز آئی ۔ اے حبیب اب جبرائیل کو رخصت دو اور خلیل کی جانب قدم اٹھاؤ ۔ اس آواز کے سُنتے ہی آپ آگے تشریف لیچلے ۔ یہانتک کہ براق بھی چلنے سے رُک گیا ۔ اور آپکی سواری کیلئے رفرف آیا ۔ جو نورانی سبز مسند مثل تختِ رواں کے تھا ۔ اور وہ ایسا روشن تھا کہ آفتاب کی روشنی اسکے سامنے کچھ حقیقت نہ رکھتی تھی ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر رونق افروز ہوئے ۔ اور تشریف لے چلے ؎

پھر چرخِ اطلس کیطرف رفرف ہوا فرفر رواں
رفتار تھی لمحہ بھر یا جنبشِ چشمِ یقین

اللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلِ سیّدنا محمد وّ بَارِکْ وَسَلِّمْ ؕ

لقائے حبیب

حریمِ کبریائی کی تجلی گاہ میں پہنچے سُنا پھر آپ نے جو کچھ سُنا۔ دیکھا جو کچھ دیکھا
شہِ لولاک کے قدموں کو چوما اُس بلندی نے
نہیں ہے عقلِ کُل کو بھی مجالِ پَر زنی جس جا

اللہ اکبر۔ جہاں جبرائیل علیہ السلام کے مرتبہ کی حد ہوتی ہے۔ وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا قدم اور سفر کی ابتدا ہے۔ اور یہاں سے آگے بھی حضور نے ہزاروں مقام طے فرمائے جن سے جبرائیل واقف نہیں۔ چنانچہ جب براق بھی سدرہ پر تھک کر رہ گیا تو پھر آپکو رفرف لیکر پرواز کناں ہُوا۔ اور ستر ہزار حجاب حکمت کے، ستر ہزار حجاب نور کے، ستر ہزار حجاب زمرد کے اور ستر ہزار حجاب موتی کے۔ کہ ہر حجاب کی موٹائی ایک دوسرے تک پانسو برس کی درمیانی فاصلہ بھی اسی قدر تھا۔ آن کی آن میں طے فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام میری ہمراہی سے رہ گیا۔ تو میکائیل نے حاضر ہو کر کہا۔ کہ یا رسول اللہ اب وقت میری خدمتگاری کا ہے۔ میں نے قدم میکائیل پر رکھا اور وہ اُٹھا کر مجھے لیچلا۔ دریا ہائے آب سے گذار دریا ہائے آتشیں سے اُتار حجابوں تک پہنچا۔ پھر اسرافیل نے آکر شرائط تعظیم بجا لاکر حجابوں سے گذارا۔ رفرف پھر پیدا ہُوا۔ اسپر میں نے قدم رکھا تو اُس نے بیک حرکت قریب ساقِ عرش مجھے پہنچایا۔ جب میں حجاب کبریا کو پہنچا۔ تو وہ ناپدید ہو گئے۔ اور میں بے سواری رہ

گیا۔ اور رفرف غائب ہوگیا۔ پھر بصورتِ اسپ ایک دانہ مروارید سفید ظاہر ہوُا۔ وہاں سے وہ آگے لیکر بڑھا۔ اب حضور ایسے مقام پر پہنچے۔ جہاں نہ آسمان نہ زمین، نہ مکان نہ زماں، نہ جہت نہ فرشتہ، نہ کوئی آواز معلوم ہوتی تھی۔ جسم اطہر میں لرزہ پڑا۔ قریب تھا کہ بیہوشی طاری ہو جائے۔ کہ حجاب کبریائی گذر گیا اور اُدنُ منی کا خطاب ہوُا۔ یعنی مجھ سے نزدیک ہو۔ لب مبارک پر غیب سے ایک قطرۂ شیریں ولذیذ ٹپکا۔ نوش فرماتے ہی علوم اولین و آخرین حاصل ہو گئے خوف وہراس سب جاتا رہا فرمایا کہ میں ہر بار اُدن منی کے خطاب کیساتھ قریب ہوتا تھا اور زمین سے آسمان تک کی مسافت طے کرتا تھا۔ یہانتک کہ مجھے ہزار مرتبہ خطاب اُدن منی ہوُا۔ اور میں مرتبۂ دنیٰ کو پہنچا۔ پھر درجہ فتدلیٰ کا پایا۔

رُکے شاہ تو پردے سے آواز آئی
کہ پردے میں آ تجھ سے پردہ نہیں ہے

حتےٰ کان بین الحبیب والمحبوب قاب قوسین او ادنیٰ۔ محبوب سے محبوب ملا انتہائی قرب حاصل ہوُا۔ اور کوئی پردہ نہ رہا۔ آپکے کان میں غیبی آواز آئی جو حضرت کے یارِ غار خلیفہ اول حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز کے مشابہ تھی کہ قِفْ یا محمّد فانّ ربّکَ یُصلّی۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر جاؤ۔ اس لئے کہ آپکا پروردگار نماز پڑھ رہا ہے۔ اس آواز کے سننے سے آپکے دل سے وہ خوف ودہشت کی حالت کافور ہوگئی۔ جو احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر ہونیوالے خاص اور مقرب بندہ کے پاک اور معصوم دل پر ظاہر ہونی ممکن تھی۔ اور آپ کو ایک ڈھارس سی بندھ گئی۔ اور آپ اس سوچ میں پڑ گئے کہ یہاں ابوبکرؓ کی

آواز کہاں سے آئی۔ اور پروردگار بے نیاز کا نماز پڑھنا کیسا۔ یہ سوچتے ہی عرشِ اعظم کے قریب پہنچ گئے۔ جس وقت آپ نے ارادہ عرشِ اعظم پر جانیکا فرمایا۔ آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانیکا قصہ یاد آیا کہ انکو جوتہ اتار کر جانیکا حکم ہوا تھا۔ یہاں مجھے بھی اپنی نعلین اُتار دینی چاہیئے۔ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارادہ پر عمل نہیں فرمایا کہ آواز آئی۔ اے میرے محبوب اپنی نعلین پہنے ہوئے اسی طرح چلے آیئے اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو یاد نہ فرمایئے انکو جوتا اُتارنیکا حکم اِسلئے ہوا تھا کہ وہ مقام پاک تھا۔ اور وہاں کی مٹی اُن کے پاؤں کو لگ جانا اُنکی توقیر و عزت کا سبب تھا۔ اور آپکی نعلین بوسی سے عرش کو شرف حاصل ہوگا۔ لہذا اسکو عزت بخشئے۔ اور یوں ہی تشریف لایئے۔ اسکے بعد فوراً آواز آئی۔ اُدن یا خیر البریہ۔ اُدن یا احمدؐ۔ اُدن یا محمدؐ۔ نزدیک آیئے اے بہترین خلایق۔ نزدیک آیئے اے احمدؐ۔ نزدیک آیئے اے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس آپ نعلین مبارک پہنے ہوئے عرش پر جاکر اسقدر اللہ تعالیٰ سے قریب ہوئے۔ جہاں کسی وہم کو بھی گذر نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ تمام مخلوقات سے کسی نے نہ جانا کہ قدمگاہ کہاں ہے۔ بلکہ خود قدم ناواقف رہا کہ نقشِ قدم کہاں ہے۔ یہ وہ درجہ اور مقام ہے کہ نہ کسی نبی اور رسول کو ملا۔ نہ ملائکہ میں سے کسی کو حاصل ہوا۔ تمام تجلیات جلالی و جمالی نے حضور پُرنور پر محیط ہو کر فرقِ دوئی مٹا دیا۔ اور حضور کو شنید سے دید اور علم الیقین تک کر حدِ عین الیقین سے پہنچکر حق الیقین کا مشاہدہ حاصل ہوا۔ جو دیکھا سو دیکھا اور جو سُنا سو سُنا۔ اور محرم اسرار فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ہوئے ؎

پڑے ہوئے تھے ہزار پردے کلیم دیکھو تو جب بھی غش تھے

میں صدقے آنکھوں کے اسکی جس نے یہ جلوہ یوں بے حجاب دیکھا

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس قربِ اتم کی حالت میں دستِ قدرت حضور علیہ السلام کی پشتِ مبارک پر پہنچا۔ جس سے آپکو کلی فرحت حاصل ہوئی اور اُس کے پہنچتے ہی آپ نے دونوں چھاتیوں میں اُسکی ٹھنڈک محسوس فرمائی اور علوم اولین وآخرین کے راز دار بنگئے۔ پھر آپنے مولا کریم سے عرض کیا کہ یہاں صدیق کی آواز کہاں سے آئی اور تیری بے نیاز ذات کی نماز کیسی۔ جواب ملا کہ جو آواز آپکو صدیق کی سی معلوم ہوئی۔ وہ آواز ایک فرشتے کی تھی۔ جس نے میرے حکم سے محض اس لئے کہ آپکے دل پر سے گھبراہٹ اور خوف و دہشت کا اثر جاتا رہے۔ پکارا تھا۔ جس طرح کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر بوقت مکالمہ سوال کیا تھا۔ جب وہ بھی خوف وہراس میں کانپ رہے تھے۔ تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یَامُوسٰی۔ یعنی اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ اس سوال سے انکا خوف رفع ہوگیا تھا۔ اور میری نماز سے یہ مُراد ہے کہ اُسوقت میری رحمت خاص آپ اور آپکی امت پر نازل ہو رہی تھی۔ اور آپ کا استقبال کر رہی تھی اور اے میرے محبوب کیا آپ جبرائیل علیہ السلام کی درخواست پیش نہ کرو گے۔ جبکا آپنے اُس سے وعدہ فرمایا تھا۔ میں نے آپکے خیال پر اُسکی آرزو قبول فرمالی ہے۔ مگر صرف انہی لوگوں کیواسطے جو صدقدل سے آپکی پیروی کرینگے۔ اور آپسے محبت رکھینگے۔ پھر جو جو کلام ربُّ العزت کو منظور تھا اپنے محبوب پاک رحمۃ اللعلمین سے کیا۔ اور اپنا دستِ قدرت سینہ پر رکھکر علوم اولین وآخرین بخشدیئے۔ بعض علوم ایسے تھے۔ جنکا سُننا

عوام کیلئے محال تھا۔ انکے اخفا کا حکم فرمایا۔ اور خواتیم سورہ بقر عنایت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے محبوب قاعدہ ہے کہ دوست دوسرے دوست سے بلا تحفہ تحائف نہیں ملا کرتا۔ آپ اتنی دور سے تشریف لائے ہیں۔ میرے حضور میں کیا تحفہ لائے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنے معبود حقیقی جل مجدہٗ کی ثناء میں یوں عرض کیا اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ ۔ یعنی میری تمام عبادت زبانی اور قلبی اور مالی صرف تجھ خدائے واحد کیلئے ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ تحفہ پروردگارِ عالم نے قبول فرما کر ارشاد فرمایا۔ السلام علیك ایھا النبیُّ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ یعنی ہر قسم کی سلامتی ہو آپ پر اے نبی اور رحمت اللہ کی اور اُسکی بہت سی برکتیں ہوں۔ اس انعام واکرام و برکات ورحمت کی گھڑی میں جب تمام امت کی عقدہ کشائی اور بخشش ممکن تھی۔ سرورِ عالم نے اپنی گنہگار امت کو بھی یاد فرمایا اور اسکو اللہ تعالیٰ کی برکات وانعامات میں حصہ دار ٹھہرا کر اس طرح حضور خداوندی میں عرض کیا۔ السّلامُ عَلَینَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلحین یعنی اے مولا تیرا بے انتہا سلام اور شمار میں نہ آنیوالی برکتیں مجھ اکیلے پر ہی نہ ہوں۔ بلکہ میری گنہگار اور قابلِ مغفرت امت پر بھی اور تیرے نیک بندوں سب پر بھی ہوں۔ جنکو اپنے دامن سے وابستہ کئے ہوئے دُنیا پر چھوڑ آیا ہوں۔ جب اس اخلاقِ کریمانہ کے پرتو سے کرّوبیان ومقرّبان بارگاہ نے رازداری پکڑی کہ ایسے وقت میں بھی یہ نبی رحیم وکریم اپنے گنہگاران امت کو نہیں بھولے تو یکزبان بول اُٹھے۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد اُعبدہٗ ورسولہ۔ یعنی ہم سب فرشتے اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ

اللہ جل وعلا شانہٗ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے اور یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اسی اللہ وحدہٗ لاشریک کے سچے بندے اور رسول ہیں۔ یہاں یہ نقل بھی قابلِ یادداشت ہے کہ ربُ العزت نے اپنے محبوب کو فرمایا کہ جب کوئی سفر سے اپنے گھر کو مراجعت کرتا ہے تو کچھ تحائف دوستوں عزیزوں کیلئے لے جاتا ہے۔ آپ یہ میرا۔ اپنا۔ اور ملائکہ کا کلام لیجائیے تاکہ آپکی امت نماز میں پڑھکر مشرف بسعادتِ ابدی ہو۔ مسلمانوں یہ نکتہ سمجھ لو کہ تین چیزیں آپ نے حضور باری تعالیٰ میں عرض کیں۔ تحیات، صلوات، اور طیبات۔ تو اسکے عوض میں چار چیزیں، سلامت، بنوت، رحمت اور برکت مولا کریم کی جانب سے عنایت ہوئیں یا تین پہلی چیزوں سلامت، بنوت ورحمت کو تو مفرد بیان فرمایا اور برکت کو جمع ارشاد فرمایا۔ تاکہ سمجھا جائے کہ ابدالآباد تک ترقی اور تزائد میں ہے۔ ہر چند برکت کا لفظ مفرد بھی دلالت بر زائد کرتا ہے۔ اور خصوصاً جب جمع مذکر ہو۔ لہذا آپکے ظہور سے زمین وزمان میں مشرق سے مغرب تک اطراف واکناف عالم میں غلغلۂ بنوت ودبدبۂ رسالت پڑ گیا اور نقارۂ فتوت وکوسِ جلالت بجنے لگا اسی وجہ سے نماز میں سب کو التحیات پڑھنے کا حکم ہے۔ اور ایک یہ بھی راز اہلِ فہم سے منقول ہے کہ چونکہ نماز معراج المومنین ہے۔ اِس لئے جناب سید المرسلین تاجدارِ کائنات محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ واقعہ معراج کی یاد تازہ کرنیکے واسطے ہر نماز میں بحالتِ قعود یعنی بیٹھ کر پوری عبارت التحیات سے آخر تک پڑھی جائے۔ تاکہ کسی دل سے یہ طالب ومطلوب کا مکالمہ اور واقعہ معراج کبھی بھی فراموش نہ ہو اور بیٹھ کر اسکے پڑھنے کا اسلئے حکم ہوا۔ کہ حالتِ قعود

بہ نسبت قیام و رکوع و سجود کے زیادہ تر بندہ کی توقیر پر دلالت کرتی ہے گویا شہنشاہ ارض و سما کے حضور سے بندے ناچیز کو حضور میں بیٹھنے کی اجازت حاصل ہوئی۔ یہ وہ سرفرازیِ بندگان ہے جو بغیر وساطت نبئ مکرم رحمت عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو ممکن نہیں۔ کیونکہ وہی وجودِ مقدس اللہ جلشانہٗ کے نزدیک تمام مخلوق سے دُنیا و عقبیٰ میں گرامی تر ہے۔ جسکو ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے محبوب میری رحمت تیری امت کے حق میں میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ اور میں قیامت کے دن ایسی کرامتوں سے مکرم فرماؤنگا کہ تمام خلائق محوِ حیرت و استعجاب ہوگی ؎

اے مرے محبوبِ یکتا رحمتِ عالم ہے تو
خلق ہے سب کچھ سما سے تا سمک تیرے لئے

لیلۃ المعراج کے انعامات اور حقیقتِ صلوٰۃ

سرنوشتِ واژگوں راست میسازد نماز
نقشِ معکوسِ نگیں را سجدہ میگردد درست

حضور اقدس محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا تو مجھے رحمتِ حق نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور تین چیزیں عطا فرمائیں ۱۔ پچاس وقت کی نمازیں۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے پر تخفیف ہو کر صرف پانچ رہ گئیں ۲۔ امت کے گناہوں کی مغفرت ۳۔ دشمنانِ حق کی پائمالی۔ اور فدایانِ اسلام کی فتح و نصرت کا وعدہ۔ حضرت ابنِ مرزوق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کلام التحیات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باریتعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے اللہ پچھلی گنہ گار امتوں اور جماعتوں میں سے بعض کو تو نے زمین میں دھنس جانیکا عذاب دیا۔ بعض کو پتھروں سے معذّب بنایا بعض صورتوں کے بگاڑے جانے سے مغضوب کئے گئے بعض کو پانی میں غرق فرمایا بعض کو اور مختلف النوع عذاب دیئے۔ مجھے آگاہ فرمایا جائے کہ میری گنہ گار اُمّت کیساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ جواب میں ربُّ العزت نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے محبوب آپ پریشان خاطر نہ ہوں۔ آپکی گنہ گار اُمّت پر رحمت نازل فرماؤنگا۔ اور انکے ایک دفعہ سچے دل سے توبہ کرنے پر اُنکی تمام برائیوں کو انکے نامۂ اعمال میں نیکیوں سے بدل دونگا۔ ان میں سے

جو میرے حضور میں رجوع لائیگا اور مجھے دُکھ اور مصیبت میں نجات کیلئے پکاریگا میں اسکے واسطے حاضر ہونگا۔ اور جو مجھ سے طلب کریگا۔ میں اسکے سوال کو رد نہ کرونگا۔ اور جو مجھ پر اپنے امورات میں بھروسہ کریگا۔ میں اس کی کفالت کرونگا۔ تیری اُمت کے گنہ گاروں کی دنیا میں ستر پوشی کرونگا۔ ان کے چہرے مسخ نہ ہونگے۔ اور نہ وہ زمین میں دھنسائے جائینگے اور نہ ان پر پتھروں کی بارش ہوگی اور قیامت کو انکے حق میں آپ کی شفاعت قبول کرونگا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ دوست اپنے دوست کے عتاب کو پسند کرتا ہے تو البتہ میں آپکی اُمت کا حساب ہی نہ لیتا۔ پھر مولا کریم نے اپنے محبوب رؤف و رحیم سے فرمایا کہ اے محبوب ؟ جو مانگنا ہو میری بارگاہ سے مانگ لو۔ تو شافع محشر ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ اے رب تو نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور اسکو ملکِ عظیم عطا فرمایا، موسیٰ علیہ السلام کو کلیم فرما کر اس سے کلام فرمایا۔ داؤد علیہ السلام کو سلطنتِ عظیم دی اور لوہا انکے ہاتھ میں موم کردیا۔ سلیمان علیہ السلام کو ملکِ بے بہا بخشا اور اسکے واسطے جن و انس و شیاطین مسخر فرمائے۔ ہواؤں پر اُنکا حکم جاری کردیا۔ اور وہ ملک دیا کہ اسکے بعد کسی کے واسطے لایق نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو تورات و انجیل سکھلا کر ایسا کردیا کہ وہ مادرزاد اندھوں اور جذامیوں کو اچھا کرتا اور تیرے حکم سے مردے زندہ کرتا۔ اور اسکو مع اُسکی ماں کے شیطان رجیم سے محفوظ کردیا کہ شیطان کو ان دونوں پر کوئی راہ نہیں ہے۔ پس اللہ کریم جل و علا شانہٗ نے فرمایا۔ اے میرے محبوب میں نے تجھے خلیل بنایا۔ تورات میں آپ کا نام حبیب الرحمٰن رکھا اور

تمام عالم کیواسطے بشیر و نذیر بنایا۔ اور رسولِ مبعوث فرمایا۔ آپکے واسطے شرح صدر کردی اور رفعِ ذکر کو مرفوع کیا۔ آپکے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ہونا لازم قرار دیکر بلند کیا۔ آپکی ضعیف اُمّت کو وسط اور خیر اُمّت کر کے مخصوص از اولین و آخرین کیا اور یہ کیا کہ ان کا کوئی خطبہ جائز نہ ہوگا یہانتک کہ شاہد ہوں کہ تو میرا رسول عبد و محبوب ہے۔ میں نے اے محبوب تجھے پیدائش میں سب سے مقدم کیا۔ اور بھیجنے میں سب سے پیچھے بھیج کر سرفرازی و سرداری دی قیامت میں فیصلہ ہونے میں سب سے مقدم کیا۔ اور سبع مثانی عطاکی۔ جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ خواتیم سورہ بقر کو زیر عرش کے خزانہ سے عطا کیا۔ کوثر دی اور فاتح پر خاتم کیا۔ ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے چھ باتوں سے فضیلت دی ہے۔ فواتح الکلام، خواتیم الکلام جوامع الحدیث اور سب کے سب پر بشیر و نذیر بھیجا جانا۔ میرے دشمنوں کے دلوں میں ایک مہینہ کی راہ سے رعب ہونا اور مالِ غنیمت کا حلال ہونا۔ جو مجھ سے پہلے کسی کے واسطے حلال نہیں ہوئے تھے اور تمام زمین کو میرے لئے پاک اور مسجد بنادیا گیا پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔ اور آگے موسیٰ علیہ السلام تک آنے اور واپس جانے میں حدیث سابقہ کی طرح پانچ نمازیں باقی رہنے کا ارشاد فرمایا۔ جب آخر بار موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو کتنی نمازوں کا حکم رہا ہے۔ تو آپنے پانچ نمازوں کا ذکر فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا کہ آپ پھر لوٹ کر اپنے رب سے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ آپکی امت تمام امتوں سے کمزور ہے اور مجھے بنی اسرائیل سے سختی لاحق ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے

بار بار اپنے مولا کریم کی طرف رجوع کیا اور اس نے مجھے نوازا۔ اب مجھے شرم آتی ہے میں نہیں جاؤنگا۔ حکم ہوا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو نے پانچ نمازوں پر اپنے نفس کو صابر فرمایا ہے تو وے آپ کیلئے پچاس نمازونکو کافی ہونگی کیونکہ ہر ایک نیکی دس گنا ہے۔ پس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بشارت سے بہت خوش ہوئے ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ سختی سے ہٹ کر کے لوٹاتے تھے۔ جبکہ آپ اُنکے پاس واپسی پر گذرتے تھے۔ سرکار انبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر موسیٰ علیہ السلام نمازوں کی تخفیف کیلئے بار بار نہ لوٹاتے تو ممکن تھا حضور علیہ السلام اپنے عشقِ الٰہی کی محویت میں پچاس نمازوں میں کمی کی ضرورت ہی محسوس نہ فرماتے۔ کیونکہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مولا کریم کی حضوری اور اسکی عبادت سے بڑھکر کسی شے سے دلبستگی نہ تھی۔ اور حقیقت بھی یہی ہو سکتی ہے کیونکہ طالب کو مطلوب کی رضا سے بہتر کوئی شغل نہیں ہو سکتا آج کل مسلمان اس محبتِ الٰہی کو دل سے نکال چکے ہیں۔ جو تاجدار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے سامنے پیش کی تھی۔ لیلتہ المعراج کے تمام تر انعامات کو دیکھا جائے جو امت عاصی کو خدا کے وصل کیلئے لا کر دیئے گئے تھے۔ تو ان سب سے بہترین و اولین عطیہ نماز پنجوقتہ ہے جسکی ادائیگی مسلمان کو معراجِ کمال پر پہنچا دیتی ہے۔ سہ

اگر سر کے بل گرتے راہِ خدا میں ؎

قدم چوم لیتی ہمالہ کی چوٹی ؎ ؎؎

خداوند جل وعلا شانہٗ کی عبادت بہ تذلل کرنا خدا کی ناچیز مخلوق انسان ضعیف البنیان کا سب سے بڑا کمال اور پہلا فرض ہے۔ کیونکہ بارگاہِ ایزدی میں عجز و انکسار ہی سر

المخلوقات کی سرفرازی کا باعث ہوتا ہے۔ ایکدن ایک دوست نے ذکر کیا کہ ایک بڑے انگریزی زدہ علامہ جنکو ایوانِ شاہی کی باسی ڈبل روٹیاں کھانے پر ناز تھا کہنے لگے کہ نماز کا یہ طریقِ اسلامی پُرانا ہوگیا ہے۔ اب کوئی نیا طریق ایجاد کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ اسلام نے جو طریقہ عبادت کا بتلایا ہے وہ جامع جمیع کمالات ظاہری و باطنی و صوری و معنوی ہے اور عقل و فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اظہارِ تذلّل اور عبادت کی صرف چار ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ۱۔ اپنے مولا و آقا کے حضور میں اسکے تقرب اور خوشنودی کیلئے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ۲۔ اُسکے سامنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اسکی شان جلالی کو مانتے ہوئے جُھک جانا ۳۔ اسکی تمام طاقتوں سے مرعوب ہو کر سجدہ میں اپنے گناہوں کی معافی کیلئے سر رکھدینا ۴۔ اظہارِ تمنا کے بعد تسلی بخش جواب کیلئے سربگریبان ہو کر دوزانو بیٹھنا پس عبادت اور حضوری کی یہی چار صورتیں ہیں۔ ان سے زیادہ باادب اور عجز وانکساری کی کوئی دوسری ہئیت نہیں ہو سکتی اگر آپ کوئی پیش کر سکیں تو فرمادیں تو جواب میں بولے کہ واقعی اس سے زیادہ عاجزانہ شکل بنانے کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔ یہ تو نماز کی ظاہری شان ہے کہ جسکو ادا کرتے ہوئے دیکھکر ایک غریب و عاجز اور معصیت کار انسان کیلئے رحمتِ الٰہی خواہ مخواہ جوش میں آجاتی ہے کیونکہ اسکے حضور میں تمام انسانی اوصاف میں سے جھک جانا اور عاجزانہ طور پر جھک جانا زیادہ پسندیدہ ہے اور یہی مقبولیت اور ارتفاع درجات کا راز ہے ع

سرنوشت واژگوں را راست میسازد نماز

یہ تو نماز کی ظاہری صورت تھی اب نماز کی معنوی حیثیت بھی ملاحظہ ہو۔ نماز میں تین

حقیقتیں مشتمل ہیں یا دوسرے معنوں میں یوں سمجھیے کہ نماز حقایق ثلاثہ کا مجموعہ ہے ۱۔ حقیقتِ صلوٰۃ ۲۔ حقیقتِ قرآنی ۳۔ حقیقت کعبہ یعنی نماز کے اعمال ظاہری وباطنی اور جہت وکعبہ وتلاوتِ قرآن۔ حقیقتِ قرآنی اور حقیقتِ کعبہ تو دونوں صلوٰۃ کے اجزا ہیں جو بجائے خود اعلیٰ اور افضل ہیں۔ چنانچہ تلاوت قرآن کی نسبت سرکارِ مدینہ تاجدارِ کائنات محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من اراد ان یحدث ربہ فلیقراء القرآن۔ ترجمہ۔ جو کوئی اپنے رب سے بات کرنا چاہے تو اسکو چاہیئے کہ وہ قرآن پڑھے۔ گویا تلاوتِ قرآن خدا کے ساتھ ہمکلام ہونا ہے اس سے تو عام تلاوت مراد ہے جو نماز سے علیحدہ ہو نماز میں تلاوت اس سے بھی افضل ترین ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے کہ قرآن کی تلاوت نماز میں بہ نسبت خارج نماز کی حالت کے زیادہ بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ آدمی نماز میں جب قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو مولا کریم سے گفتگو کر رہا ہے اور اسکے اسرارِ ربوبیت واوصاف الوہیت کے بحر میں غوطہ زن ہے۔ جسکو ہم دوسرے معنوں میں وہی معراج کہہ سکتے ہیں جسکا اشارہ حدیث شریف میں الصلوٰۃ معراج المومنین ؕ۔ آیا ہے۔ یہ تو تلاوت قرآن کا مرتبہ ہے۔ اب حقیقتِ کعبہ بھی معلوم کیجئے۔ کعبہ کیلئے صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ وہ خداوندِ جل وعلاشانہٗ کا گھر یعنی خانۂ محبوب ومعبودِ حقیقی ہے جو عاشقانِ الٰہی کا مرکزِ عشق ہے اور نور السمواتِ والارض کی تجلّی گاہ ہے اور مشہور بات ہے کہ مکان کی عزت مکین کے سبب ہوا کرتی ہے۔ جو حیثیت مکین کی ہو ویسی ہی عزت مکان کو حاصل ہوتی ہے مثلاً ایک چمڑے کا ٹکڑا اگر جوتی کو لگا ہوتا ہے وہ گھر اور مسجد سے باہر اتار دی جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق ایک نجس چیز اور

گنہ گار انسان سے ہوتا ہے۔ پھر بھی اگر کسی نبی، بزرگ، ولی کی ہو اسکی حیثیت اور ہو تی ہے۔ اور اگر وہی ٹکڑا قرآن کریم کی جلد پر لگا ہو تو اسکو لوگ چومتے ہیں۔ ایک پانی وہ ہے جو پنجاب ہندوستان یا دیگر ممالک میں ہم یا ہمارے جیسے انسانوں کے ساتھ موجود ہے۔ وہ بلا خصوصیت ایک عام پانی ہے۔ مگر آبِ زمزم جسکو حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں کی برکت حاصل ہے وہ ایک خاص فضیلت کے ماتحت لیا اور پیا جاتا ہے۔ اسی طرح اور ہزارہا مثالیں ہیں۔ الغرض نماز کے متعلق سردار انس وجاں سیاح لامکاں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندے کو اپنے خدا کا سب سے زیادہ تقرب نماز کی حالت میں ہوتا ہے ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز کی حالت میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ یعنی نمازی کی آنکھ اپنے معبود حقیقی کے جمالِ جہاں آرا کا بے حجاب مشاہدہ کرتی ہے۔ حضرت خواجہ امام محمدؒ معصوم قدس اللہ سرہُ العزیز خلف الصدق حضرت خواجہ امام محمدؐ ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں اسکی نسبت ایک وجد آفریں تشریح فرماتے ہیں کہ "نماز معشوقے است دلربا در باطن مصلی چوں پرتو جمال باکمال او جلوہ فرماید و حسن و خوبی او ظہور نماید نزدیک است کہ او را مست و بے شعور رو او را از دمے بربائید و چوں انوار او متحقق شود و تجلیہ او متجلّے گردد خود را نوریابد"۔ یعنی نماز ایک معشوقہ دلربا ہے۔ جب مصلی کے باطن میں اسکے جمالِ باکمال کا پرتو پڑتا ہے۔ اور وہ اپنی حسن و خوبی کے ساتھ ظہور کرتی ہے۔ تو قریب ہو جاتا ہے کہ نمازی مست و بے شعور ہو جائے اور وہ اپنے آپ سے جاتا رہے۔ اور جب نمازی نماز کے انوار و تجلیات سے

متصف اور اسکے اوصاف و خصائص کے زیور سے مزین ہو جاتا ہے۔ تو خود کو سراپا نور پاتا ہے۔

نماز کی اسی کیفیت کے باعث اسکو عالم علمِ الٰہی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی معراج فرمایا ہے۔ کیونکہ مومن جس وقت نماز میں ہوتا ہے تو وہ تمام دنیوی تعلقات اور مادی دنیا سے عروج کر کے نشاۃ اخروی پر پہنچ جاتا ہے۔ یعنی مراتبِ قرب و شہود نماز کی حالت میں بدرجہ اتم و اکمل ہوتے ہیں اللہ اللہ نماز کی کیا شان ہے کہ ادنیٰ ترین انسان اسکی طفیل پانچ مرتبہ دن بھر میں معراج کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنے مولا کریم کے قُرب کو پالیتا ہے۔ نماز ایک ایسی جامع عبادت ہے۔ جسمیں، حج، زکواۃ، روزہ۔ معراج توحید، ثنا تمام کیفیات جمع ہیں نماز گویا ایک غریب و نادار بے استعداد مومن کیلئے گھر کی چاردیواری اور بال بچے میں رہ کر ہی حج بیت اللہ ہے کیونکہ عاشق صادق کیلئے تین چیزیں اظہار عشق میں اعانت کرنیوالی ہوتی ہیں ۱۔ معشوق کا بے پردہ دیدار پانا ۲۔ معشوق سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرنا ۳۔ توجہ خصوصی اور قرب حضوری سے سرفراز کیا جانا۔ سو یہ تین چیزیں نمازی کو بھی حاصل ہیں۔ بے پردہ دیدار تو یوں ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اسطرح نماز پڑھ کہ تو اپنے معبود کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ مرتبہ تجھے حاصل نہیں تو یوں جان کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ حضرت سرخسی رحمتہ اللہ علیہ کو لوگوں نے نماز باجماعت کیلئے امام بنایا تو آپ اثنائے قرأت میں بے ہوش ہو کر گر گئے۔ ہوش میں آپکو لایا گیا اور اس غشی کا باعث پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے حمد و ثنا کے جواب میں تو میرے

خدا نے فرمایا کہ میں اسی قابل ہوں جیسے تو نے کی۔ مگر جب میں نے آیۃ ایاکَ نعبد و ایاکَ نستعین تلاوت کی تو حکم ہوا تیرا قول تیرے فعل کے خلاف ہے کہتا ہے تجھی سے مدد مانگتا ہوں اور غیروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ چنانچہ یہی عتاب میری غشی کا باعث ہوا۔ اللہ اللہ یہ ہے وہ نماز جو معبود کو سامنے دیکھ کر ادا کی جاتی ہے۔ حضرت سراج الامتہ امام الائمہ سیدنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے خدا کو سو مرتبہ دیکھا ہے۔ قرب حضور اس سے بڑھکر کوئی امتی کیا پائیگا گویا نماز عشق حقیقی کے جذبات برانگیختہ کرنے حسن حقیقی کی بہار لوٹنے شاہدِ مقصود سے ہمکنار ہونے اور فوز و فلاح سے شاد کام بننے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جیسے شاعر نے کہا ہے ؎

نمازِ عشق دکھائیگی جلوۂ محبوب

جو اپنے دردِ جگر کو امام کریں گے

نماز کے محاسن باطنی اور مراتب و کمالات کا یہ ایک مختصر سا ذکر اور شمہ بھر بیان ہے۔ ورنہ اسکے فضائل اسقدر ہیں کہ انسان گننے سے قاصر ہے مگر افسوس کہ آجکل کا اتحاد پسند مسلمان جہاں کہیں دیکھو مشرکوں کا فروں سے دنیا کیلئے اپنی نمازیں قربان کرکے بھی اتحاد چاہتا ہے۔ حالانکہ اپنوں سے اسکی ہمیشہ لڑائی رہتی ہے۔ اس شیدائے دُنیا کو اگر یہ معلوم ہوجائے کہ نماز بھی اتحاد کا ایک سبق اور نظام قوم کو مربوط کرنے والی شئے ہے تو ممکن ہے۔ کہ سٹیجوں پر اسکی اتحاد پسندانہ دھواں دھار تقریروں کے ساتھ اسکے عمل میں نماز بھی نظر آجائے اس کو کون یہ کہے کہ تیری فلاح رام رام کرنے میں نہیں خدا

خدا کرنے میں ہی ہے۔ بدقسمت ہے وہ مسلمان جو مسلمان ہو کر نماز کے انوار و تجلیات اور فوائد و برکات سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ اسکی نہ بصارت ہے۔ نہ بصیرت جو امتِ محمدیؐ ہونے کا اقرار کرے۔ اور نماز کے فیوض سے محروم رہے۔ بندۂ نفس اور جہنم کا ایندھن ہے۔ وہ نام نہاد مسلمان ہے جو نماز کی ادائیگی سے غافل اور بے پرواہ رہتا ہے۔ نماز باجماعت ہی ایک وہ آلۂ اتحاد ہے جو پسماندہ اور بدقسمت قوم کو تھوڑے عرصے میں معراجِ کمال پر پہنچا سکتی ہے۔

دنیا آج تک حیران و ششدر ہے کہ اسلام نے عرب جیسی بادیہ نشین قوم کو ایک قلیل مدت میں خاک سے اُٹھا کر افلاک پر کسطرح پہنچا دیا۔ اور اونٹوں کی نکیل کی جگہ سلطنتِ عظیم کی باگ انکے ہاتھ میں کیسے دیدی۔ اس فلاکت زدہ ریت پر سونیوالی اور خشک کھجوریں کھانیوالی قوم کو کسطرح تخت بخش دیئے اور کیونکر بدوؤں کی جھونپڑیوں میں شاہی خزانے بٹے اسکا جواب صرف یہ ہے کہ اُن میں دو وصف تھے جو آج مسلمانوں میں نہیں ہیں اور جن سے منہ موڑ کر آج ذلّت و خواری کو پہنچ رہے ہیں اور اپنی پائمالی کا احساس تک نہیں رکھتے اور وہ یہ تھے ۱۔ حضرت سرورِ کونین رسول الثقلین محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشقانہ محبت اور شیفتگی ۲۔ آپس میں نظم و اتحاد اور اپنے رہبروں سے محبت اور یک جہتی۔ یہی وہ اعلیٰ سبق ہے جو ہمیں پنجوقتہ نماز باجماعت سے ملتا ہے اور اسی سبب سے ابوسفیان کفر کی حالت میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو نماز پڑھتے ہوئے اور ایک امام کی حرکت پر متحرک ہوتے ہوئے دیکھ کر بے اختیار بول اٹھا تھا کہ خدا کی قسم یہ قوم کچھ کر کے رہیگی۔ ہم میں سب سے بڑا نقص

یہی ہے کہ ہم اپنے رہبروں سے محبت اور ان پر اعتماد نہیں کرتے اور یہ وہ مرض ہے کہ جب کسی قوم میں پیدا ہو جاتا ہے تو وہ زمانہ میں ذلیل ہو جاتی ہے مسلمان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلامی عظمت و اقتدار کا آفتاب مسجدِ نبوی سے ہی طلوع ہوا تھا۔ اور بوریا نشین صحابہ قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت کے مالک بن گئے تھے۔ اور مسلمان اب اگر دوبارہ آفتاب اقبال کو طلوع ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو مسجدوں سے ہی لو لگائیں اور انہی کو نمازوں سے آباد کریں یہیں سے پھر دوبارہ زندگی پاوینگے۔ اور اقتدارِ گذشتہ حاصل کرسکینگے۔

لا الٰہ باشد صدفِ گوہر نماز
قلب مسلم را حجِ اکبر نماز

سیرِ جنّت

اس امر کا ذکر کرنے سے پہلے کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرِ جنت کے متعلق کیا کیا ارشاد فرمایا ہے اور اسکی نعمتوں کو کس طرح ذکر کیا ہے۔ یہ بتا دینا بڑا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آجکل بعض غیر عقیدہ لوگوں اور نام نہاد مولویوں نے جنت کے متعلق ہزارہا لایعنی تاویلیں کی ہیں۔ اور سینکڑوں عقلی ڈھکوسلے مارے ہیں کوئی زمین کے اوپر بیان کرتا ہے تو کوئی تحت الثریٰ کے نیچے۔ کوئی انکاری ہے تو کوئی نیم اقراری اور ایک لاہوری معتزلہ مولوی نے تو یہاں تک بھی کہدیا ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام جس بہشت میں مقیم تھے اور جہاں سے آپ کا اخراج عمل میں آیا۔ اس سے مراد دنیا کا ایک باغ ہے۔ کیونکہ جنت میں شیطان کا موجود ہونا غیر ممکن ہے۔ وہ اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔ اور جہاں سے ان کا خروج ہوا۔ بلاشک وشبہ وہ جنتِ سماوی تھی۔ جس پر نصوصِ قرآن واحادیث نبوی علیہ السلام واقوال علماءِ کرام سلف وخلف شاہد ہیں۔ ارشاد باری قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا الآخر کے تحت میں صاحب مدارک نے لکھا ہے۔ مِنْهَا کی ضمیر جنّت کیطرف راجع ہے۔ شیطان وہاں موجود تھا۔ وہاں ہی سے نکالا گیا۔ مگر معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی جنت ملکِ یمن میں ایک باغ ہے کیونکہ جنّت میں نہ تکلیف کا وجود ہے۔ نہ اُس سے خروج کیصورت متصور ہو سکتی ہے۔ مگر ان فاسد اور غلط اقوال کا جواب یہ ہے کہ جنت

سے خروج اس صورت میں ممنوع ہے کہ بطور جزا و ثواب داخل ہو۔ ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج جنّت میں داخل بھی ہوئے۔ پھر خارج بھی ہو گئے۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اہلِ جنّت حضرت آدم علیہ السلام سے عرض کرینگے کہ حضرت باباجی ہم کو جنّت کا دروازہ کھول دیجئے۔ وہ جواب دینگے کہ تم کو اس جنّت سے تمہارے باپ کی لغزش نے نکالا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ جنّت الخلد ہی تھی۔ جس سے حضرت آدم علیہ السلام کا اخراج عمل میں آیا۔ اور جس میں اہلِ جنّت داخل ہونے کے لئے حضرت آدم سے دروازہ کھلوانیکے ملتجی ہونگے۔ اگر وہ دنیا پر بقول معتزلیین کا باغ ہوتا تو پھر اس جنّت سے تم کو تمہارے باپ کی لغزش نے نکالا ہے فرمانا بے محل ہوگا۔ لیکن یہ فاسد عقیدہ رکھنے والے کچھ ایسے بہک گئے ہیں کہ گویا بغیر دیکھے ایمان لانے کیلئے تیار نہیں۔ ہم یہاں صحیح احادیث پیش کرینگے۔ جن سے یہ معلوم ہو کہ جنّت کہاں ہے۔ حضور نے اسکا کسطرح معائنہ فرمایا اور اسکی نعمتوں کو کیونکر پایا۔ مومن کو بلاشبہ ارشاداتِ نبوی پر ایمان لاکر تصدیق کرنی چاہیئے۔ چونکہ جنّت اور اسکے متعلقات کا اسقدر وسیع ذکر ہے۔ کہ ایک علیحدہ ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ اسلئے یہاں بالاختصار ذکر کیا جائیگا۔ اور باقی کسی آئندہ صحبت میں انشاء اللہ تعالیٰ اس موضوع پر ایک علیحدہ کتاب لکھی جائیگی۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت انس و ابن حزم رضی اللہ عنہما نے حدیث شریف میں معراج رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دربارِ ایزدی میں مکالمہ فرضیت نماز اور مراجعہ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا پھر میں جنّت میں داخل کیا گیا۔ کہ اس میں موتیوں کے گنبذ تھے اور دیکھا کہ اسکی خاک مشک ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

عند سدرۃ المنتہیٰ عندہا جنۃ الماویٰ۔ یعنی سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک جنّت الماویٰ ہے
اسکی حقیقت میں امام بیہقی نے دلائل سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت
کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنّت آسمان میں ہے اور دوزخ زمین میں اور مسلم نے
سہل بن سعد سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
اس مجلسِ مبارک میں حاضر تھا۔ جس میں آپ نے جنّت کا بیان فرمایا۔ یہاں تک کہ
آپ نے اس بیان کو ختم فرمایا اور آخر بیان میں فرمایا کہ جنّت میں وہ چیزیں ہیں کہ جنکو
نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ اور نہ کسی بشر کے دل پر ان کا
گذر ہُوا۔ نسائی بن حبان نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب خداوندِ عالم نے جنّت کو پیدا فرمایا۔ تو حضرت جبرائیل کو حکم
دیا ہے کہ جنّت کو دیکھ۔ حضرت جبرائیل نے جاکر جنّت کو دیکھا اور وہاں سے واپس
ہوکر عرض کیا۔ اے میرے پروردگار تیری عزت اور بزرگی کی قسم ہے کوئی شخص
اسکا حال سُنکر داخل ہوئے بغیر نہ رہیگا۔ پھر خدائے تعالیٰ نے ناگوار چیزوں سے
اسکو گھیر دیا۔ تو پھر جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے جبرائیل جاکر جنّت کو دیکھ۔
انھوں نے جنّت کو جاکر پھر دیکھا۔ اور واپس ہونیکے بعد فرمایا۔ اے میرے
پروردگار قسم ہے تیری عزت کی مجھے خوف ہے کہ کوئی اسمیں داخل نہ ہو آخر
حدیث تک جسمیں دوزخ کی پیدائش کا بھی ذکر ہے۔ جسے ہم اسکے باب میں بیان
کرینگے۔ ابن ابوالدنیا نے جنّت کے بیان میں حضرت انس سے روائت کی
ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتِ عدن کو اللہ تعالیٰ
نے اپنے دستِ مبارک سے بنایا ہے۔ اسکی عمارت میں ایک اینٹ سفید موتی

کی ایک اینٹ یاقوت سرخ کی ایک اینٹ زمرد کی، اس کا گارا مشک۔ اور گھاس اسکی زعفران اور ٹھیکریاں مروارید اور مٹی عنبر ہے۔ ابوالشیخ نے کتب العظمت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں اپنے ہاتھ سے پیدا فرمائیں۔ عرشؔ، قلمؔ، جنّتِ عدنؔ اور حضرت آدمؔ علیہ السلام۔ پھر ہر ایک کو فرمایا۔ ہو جا۔ ہر ایک موجود ہو گیا۔ قرطبی نے بیان کیا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے۔ جنّتیں سات ہیں۔ دار الجلال، دار السلام دار الخلد۔ جنّتِ عدن۔ جنّتِ الماویٰ۔ جنّتِ النعیم۔ جنتِ الفردوس۔ اور بعض نے کہا کہ چار ہیں۔ جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری کی حدیث میں واقع ہوا ہے انہوں نے سوائے چار کے اور کا ذکر نہیں کیا۔ طبرانی نے ابوامامہ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روائت کی ہے کہ خدا سے تم فردوس مانگا کرو کہ وہ جنت کی۔۔۔۔ ناف ہے۔ اور اہل جنّت عرش کی آواز کو سُنتے ہیں۔

ابو یعلیٰ اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اور اُن میں سے ایک دروازہ توبہ کیلئے کُھل رہا ہے۔ جب تک آفتاب مغرب کی طرف سے نہ نکلے۔ دیلمی نے حضرت ابنِ عباس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنّت کے ایک دروازے کا نام باب الفرح ہے۔ اس میں وہی لوگ داخل ہونگے جو بچوں کو خوش کرتے تھے۔ مسلم نے حضرت عمر بن الخطاب سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی تم میں سے ایسا نہیں ہے۔ جو وضو کرے اور اچھی طرح سے وضو کرے پھر کہے۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ

لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ - مگر اسکے لئے آٹھوں دروازے کھولدیئے جاوینگے - ان میں سے جس دروازے سے جی چاہے داخل ہو - بیہقی نے عقبہ بن عتبہ سلمی سے روایت کی ہے - وہ کہتے ہیں - میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سُنا - کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جسکی تین اولادیں قبل از بلوغ مر جائیں مگر وہ اولاد اسکو جنت کے آٹھوں دروازوں سے بُلائینگی - جس میں سے اس کا جی چاہے داخل ہوگا - سلمہ نے عقبہ بن غزوان سے روایت کی ہے کہ ہم سے بیان کیا گیا جنت کے دروازوں کے ایک بازو سے دوسرے بازو تک چالیس برس کا راستہ ہے - اور اس پر ایک ایسا دن آنیوالا ہے کہ کثرتِ اژدحام کی وجہ سے آدمی پھنس پھنس کر رہ جائینگے - طبرانی نے عبداللہ بن سلام سے روائت کی ہے - وہ کہتے ہیں - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دو بازوؤں میں چالیس برس کی راہ ہے - اور اُس پر ایک ایسا دن آنیوالا ہے کہ جسطرح پانچ روز کے پیاسے اونٹ پانی کیلئے اژدحام کرکے ایک دوسرے میں پھنس کر دوڑتے ہیں (لوگ ایسے دوڑینگے) ابن المبارک اور طبرانی نے ابو ایوب انصاری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آفتاب ڈھل جاتا تھا - پھر نماز ادا فرماتے تھے میں نے آپ سے دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانوں کے اور جنت کے دروازے اس وقت کھولدیئے جاتے ہیں - اور جب تک ظہر کی نماز نہیں پڑھی جاتی وہ نہیں کھولے جاتے - پس میں چاہتا ہوں کہ اُس وقت میری نیکی آسمان کیطرف چڑھے - ابو مالک اشعری سے روائیت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں کہ ظاہر باطن سے

اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس شخص کیلئے تیار کئے ہیں۔ جو کھانا کھلاوے اور نرمی کیساتھ بات کرے اور پیاپے روزے رکھے اور جب لوگ سوتے ہوں۔ نماز پڑھے۔ بیہقی نے عمران بن حصین اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وَمَسٰکِنُ طَیِّبَاتِ فِی جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ کی نسبت دریافت کیا گیا آنجناب نے فرمایا۔ وہ موتی کا ایک محل ہے۔ اور اُس محل میں سرخ یاقوت کے ستر مکان ہیں۔ اور ہر مکان میں ستر کمرے زمرد کے ہیں۔ اور ہر کمرے میں ایک تخت ہے اور ہر تخت پر ستر بستر ہیں۔ اور ہر بستر کا رنگ جدا ہے۔ الخ۔ شیخین نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہما سے روائت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ کوئی بندہ ایسا نہیں کہ جسکو خدا تعالیٰ کسی رعیت کا حاکم کرے اور وہ اسکی خیر خواہی نہ کرے۔ تو جنت کی خوشبو نہ سونگھیگا۔ اسیطرح ابن ماجہ نے ابن عمر سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روائت کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے باپ کے سوا دوسرے شخص کو باپ بنانیکا وعدہ کیا وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھیگا۔ حالانکہ اسکی خوشبو پانچسو برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بخدا نہ عاق نہ قرابت کا قطع کرنیوالا اور نہ بوڑھا زناکار اور نہ وہ شخص کہ جو اترا کر اپنے ازار گھسیٹتا ہوا چلے اس خوشبو کو سونگھیگا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت میں اہلِ جنت کیلئے ہر قسم کے پھل ہونگے۔ جب جنتیوں کو پھلوں سے رزق دیا جائیگا تو وہ کہینگے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو اس سے پہلے دیا گیا تھا اور ہمرنگ پھل ان کو دیئے جائینگے۔ جنکے

مزے میں ایک دوسرے کیساتھ مشابہت نہ ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فیھا من کل فاکھۃ زوجان کے متعلق روایت ہے کہ دنیا میں کوئی درخت شیریں یا کڑوا ایسا نہیں جو جنت میں موجود نہ ہو۔ یہاں تک کہ حنظل بھی موجود ہوگا۔ ابو سعید خدری سے بہ سندِ حسن روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اوپر جنت پیش کی گئی تھی اور میں نے ہاتھ بڑھا کر اسکے ایک خوشہ کے لینے کا قصد کیا کہ تم کو دکھاتا مگر مجھکو روکدیا گیا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلا فرمائیے کہ انگور کا دانہ کتنا بڑا ہوگا۔ آپ نے فرمایا بڑے سے بڑا ڈول جو کبھی تیری ماں نے بنایا ہو۔ ترمذی نے نوادر میں حسن اور ابی قلابہ سے روائت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں رات ہوگی آپ نے فرمایا وہاں رات نہیں ہے وہاں تو روشنی اور نور ہے۔ صبح شام پر اور شام صبح پر لوٹائی جائیگی۔ حضرت ابن المبارک نے روایت کی ہے کہ جنتی جب جنت میں داخل ہونگے تو خدا تعالیٰ ان سے فرمائیگا کہ ہر مہمان کیلئے قربانیاں ہوتی ہیں اور میں بھی آج تمہارے لئے مچھلی اور بیل کی قربانی کرتا ہوں۔ چنانچہ اہل جنت کیلئے انکی قربانی کی جائیگی۔ مسلم نے ثوبان سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے کہ یہود کے ایک بڑے عالم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جب اس زمین کے بدلے دوسری زمین ہو جائیگی تو آدمی اس روز کہاں ہونگے۔ حضور نے فرمایا پلصراط کے نیچے ایک تاریکی میں ہونگے۔ اس نے کہا پس سب سے پہلے کسکو اجازت ہوگی۔ حضور نے فرمایا۔ فقراء مہاجرین کو۔ اس نے کہا جب

وہ جنت میں داخل ہونگے تو اُنکا تحفہ کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا مچھلی کے جگر کی زیادتی اُنکا تحفہ ہوگی۔ اس نے کہا پھر انکو بعد صبح کیا ملیگا۔ آپ نے فرمایا ان کیلئے جنت کا بیل ذبح کیا جاویگا۔ جو جنت کے گرد چرا کرتا ہوگا۔ اُس نے کہا اسکے بعد انکو پینے کو کیا ملیگا۔ آپ نے فرمایا جنت کے ایک چشمہ سے انکو پانی دیا جاویگا جس کا نام سلسبیل ہے۔ اس عالم نے یہ باتیں سنکر کہا کہ آپ نے سچ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے جنت کی نہروں کا ذکر فرمایا ہے کہ جنت میں پانی کی نہریں ہیں جو بگڑتا نہیں۔ دودھ کی نہریں ہیں جو بدمزہ نہیں ہوتا۔ شراب کی نہریں ہیں۔ جسمیں خرابی نہیں۔ اور پینے والوں کیلئے لذت ہے اور شہد کی نہریں ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت کی نہریں ایک مشک کے پہاڑ سے نکلتی ہیں اور بغیر خندق کے بہتی ہیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوثر بھی جنت میں ایک نہر ہے۔ جسکی گہرائی ستر ہزار فرسنگ ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اسکے دونوں کنارے موتی اور زبرجد اور یاقوت کے ہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیحان اور جیحان، فرات اور نیل سب جنت کی نہریں ہیں۔ ایک نہر کو بیدخ اور ایک کو ریّان فرمایا۔ نہروں کے علاوہ سلسبیل اور تسنیم چشموں کا ذکر بھی فرمایا گیا ہے فیھما عینان تجریان کے متعلق براءبن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چشمے ان چشموں سے بہتر ہونگے۔ جنکی صفت قرآن میں عینان نضّاختان ذکر ہوئی ہے۔ اسیطرح زنجبیل اور تفجیر کا نام بھی فرمایا گیا ہے۔ احمدؒ نے ابوسعید

عذری سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص مومن کو پیاس میں پانی پلاوے خداوندِ عالم قیامت کے دن اسکو رحیق مختوم پلاوینگے۔ اور جو شراب پینے والا ہوگا اسکو دوزخ کا ماءِ حمیم پلایا جاویگا۔ اگر کسی نے چھوٹے بچے یا لڑکی کو بھی شراب پلایا ہوگا۔ تو پلانیوالے کو جہنم کا ماءِ حمیم پلایا جائیگا۔ ایسے ہی اہلِ جنت کے ملبوسات۔ زیورات، فرش وفروش۔ تختوں، نشستوں، خیموں اور قبہ جات کا بھی بیان ہُوا ہے۔ اہل جنت کی بیویوں انکے اعداد وشمار طامست وغیرہ کی بھی کیفیت سمجھائی گئی ہے۔ اولاد کا ہونا۔ حمل دودھ سے فراغت، سماع وغنا برتنوں کا استعمال، جنت کی خوشبوئیں۔ حور وغلمان۔ خدام واطفال، سواریوں پرندوں، وحشی جانوروں، بازاروں، کھیتوں، جواہرات، یواقیت وغیرہ وغیرہ کوئی ایسی چیز نہیں جو ذکر ہونے سے رہ گئی ہو۔ غرضیکہ اس مختصر ذکر نے اہلِ اسلام کے اس امر پر ایمان رکھنے میں کہ جنت آسمانوں میں ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسکی سیر فرمائی ثابت کر دیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

غُل ہوا سیر کو فردوس کے آتے ہیں حبیب
بولا رضواں کہ بھلا ایسے کہاں میرے نصیب

پیشکش کیا کروں اس شاہ زمن کے میں غریب
مسند ہے آپکا جو خلد میں ہے چیز عجیب

کوئی دعوت کی نہیں بنتی ہے مجھسے ترکیب
مگر امت کے مکانوں کی دکھاؤں ترتیب

ناگہاں آنے لگی کانوں میں آوازِ نقیب
عرض کرنے لگا یوں جاکے سواری کے قریب

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی

دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

بالآخر حضورِ پُرنور، شافع یوم النشور، تاجدارِ کائنات، مختارِ شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارتیعالیٰ سے رخصت ہو کر پہلے جنت الفردوس کے ملاحظہ کو تشریف لیگئے۔ اور اسکے اندر داخل ہوئے۔ اسکی زینت، چمنوں کی طراوت۔ طرح طرح کے قصر و ایوان۔ قسم قسم کے عالی شان مکان ملاحظہ فرما کر بہت محظوظ ہوئے اور شکرِ خدا بجالائے۔

معائنہ جہنّم

در فردوس سے یوں سیّدِ ذیشاں نکلے
جسطرح صبح کو خورشیدِ درخشاں نکلے
چمنِ صورتِ وحدت سے حبیبِ داور
مُسکراتے ہوئے مثلِ گلِ خنداں نکلے

ملاحظہ جنت سے فارغ ہو کر حضور معائنہ دوزخ کو تشریف لیگئے۔ ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہٗ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہنم تمام دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور جنت اس سے پرے ہے۔ اسیواسطے پلصراط کے اوپر سے ہو کر جنت میں جاوینگے۔ اور جویبر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذؓ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بروز قیامت جہنم کو کس طرف سے لائینگے آپ نے فرمایا۔ ساتویں زمین سے اور اسکی ستر ہزار باگیں ہونگی۔ ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہونگے۔ اور وہ چیختی ہوگی الیٰ اھلی الیٰ اھلی۔ یعنی جو میرے لوگ ہیں مجھے دو۔ پھر جب بندوں سے ایک ہزار برس کے فاصلہ پر رہ جاویگی تو اسوقت ایک چیخ ماریگی۔ پھر کوئی فرشتہ مقرب۔ نبی و مرسل ایسا نہ ہوگا مگر اپنے گھٹنوں پر گر پڑیگا .... اور کہیگا۔ ربِّ نفسی نفسی۔ بیہقی نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ سوار ہو سمندر میں مگر مجاہد یا حاجی یا عمرہ کرنیوالا کیونکہ سمندر کے نیچے دوزخ ہے ایک روایت میں عبد اللہؓ نے ابن عمر رضی اللہ عنہٗ سے ذکر کیا

ہے کہ سمندر کے پانی سے وضو نہ کیا جاوے کیونکہ وہ جہنم کا طبقہ ہے۔ والبحر المسجور کی تفسیر میں ابو شیخ نے کعب سے روایت کی ہے کہ سمندر کو جھونکا جائیگا وہ جہنم بنجائیگی۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں وہب سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب قیامت آویگی تو اللہ عزوجل صبح کی سفیدی کو حکم دیگا۔ اس سے ایک دوزخ نکل آئیگا۔ اور وہ اس کا پردہ ہوگا۔ پھر اس سے ایک آگ نکلیگی۔ جب وہ آگ سمندر کیطرف پہنچیگی۔ جو جہنم کے کنارے پر پھیلا ہوا ہوگا (اور بحر مسجور سے یہی مراد ہے) تو وہ اسکو پلک مارنے سے پہلے خشک کردیگی اور وہی سمندر جہنم اور ساتوں زمین کے مابین حائل ہے پھر وہ سب ایک انگارہ بنجائیگا۔

جہنم کے دروازے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے دروازے ہونگے۔ جس سے معذب لوگوں کو جہنم میں داخل ہونا ہوگا۔ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لھا سبعۃ ابواب لکل باب منھم جزء مقسوم۔ یعنی جہنم کے سات دروازے ہیں۔ اور انکے لئے ہر دروازے سے حصہ بٹا ہوا ہے۔ اور فرمایا حتیٰ اذا جاؤھا فتحت ابوابھا۔ یعنی یہاں تک کہ جب جہنم کے پاس آدینگے اسکے دروازے کھول دیئے جاوینگے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لھا سبعۃ ابواب کی تفسیر میں روایت کی ہے۔ وہ سات دروازے یہ ہیں۔ جہنم، سعیر، لظٰی، حطمہ، سقر، جحیم، ہاویہ اور یہ سب سے نیچے ہے قرطبی نے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلا دروازہ جہنم ہے۔ اور وہ بہ نسبت اور دروازوں کے عذاب میں کمتر ہے۔ وہ اس امت کے گنہ گاروں کیلئے ہے اور اسکو جہنم اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ مرد و زن کے موہنونکو جھلس دیگا۔ اور انکے گوشت کھا جائیگا۔

اور ہاویہ سب سے زیادہ گہرا ہے۔ اور بیہقی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ جنت کے دروازے اسطرح سے ہونگے۔ اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اور انگلیونکو کھولدیا۔ آپکی مراد یہ تھی کہ دروازے کے اوپر دروازہ ہوگا۔ ہر ایک دروازے کو نمبروار بھرا جائیگا۔ اور بیہقی نے خلیل بن مرہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب تک تبارک الذی اور حٰم سجدہ نہ پڑھ لیا کرتے اسوقت تک نہ سوتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ حٰم بھی سات ہیں اور جہنم کے دروازے بھی سات ہیں۔ ان ساتوں میں ہر حٰم قیامت کے روز آ کر ان دونوں میں سے ایک ایک دروازہ پر کھڑے ہو جائینگے اور کہینگے۔ اے میرے خدا اس دروازہ میں اس شخص کو مت داخل کر جو مجھ پر ایمان رکھتا تھا اور مجھ کو پڑھتا تھا۔ ابو نعیم نے عطا خراسانی سے روایت کی ہے کہ جہنم کے کئی دروازے ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ غم اور کرب اور گرمی اور بدبو کا دروازہ زناکاروں کیلئے ہے۔ جو دیدہ و دانستہ گناہ کے مرتکب ہوئے۔ ابو داؤد نے ابو قتادہ سے اور انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روائیت کی ہے کہ آپ دوپہر کے وقت نماز کو بجز جمعہ کے روز کے مکروہ جانتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ بجز جمعہ کے روز کے ہر روز جہنم جھونکے جاتے ہیں۔ ابو امامہ سے احمدؒ نے روائیت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہر کے وقت نماز مت پڑھو۔ کیونکہ اسوقت جہنم دھونکے جاتے ہیں۔ قرآنِ کریم اور احادیث صحیحہ سے جہنم کے داروغوں اور فرشتوں کا ذکر بھی معلوم ہوتا ہے۔ ابن المبارک اور بیہقی نے

بنی نعیم کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ ہم ابوالعوام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ علیہا تسعۃ عشر وما جعلنا اصحٰب النار الا ملٰئکۃ وما جعلنا عدتھم الا فتنۃ للذین کفروا۔ لوگوں نے کہا تم اس میں کیا کہتے ہو۔ آیا اُنیس فرشتے مراد ہیں یا اُنیس ہزار تو جواب دیا گیا کہ نہیں صرف اُنیس فرشتے مراد ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اُس ذات کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ جہنم کے پیدا ہونے سے پیشتر ہزار برس جہنم کے فرشتوں کو پیدا کیا اور انکو ہر روز قوت پر قوت بڑھتی رہیگی۔ جب تک کہ لوگوں کے قدم اور پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹینگے۔ عبداللہ نے ابن عمران حسینی سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہمکو معلوم ہوا ہے کہ دوزخ کے اُنیس داروغہ ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کے کندھوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہے اُنکے دلوں میں رحم نہیں ہے کیونکہ وہ عذاب کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ قرطبی نے بیان کیا ہے کہ ان اُنیس۱۹ فرشتوں سے دوزخ کے بڑے فرشتے افسر مراد ہیں ورنہ دوسرے فرشتوں کی تعداد تو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا جو جہنم میں معیّن ہیں۔ جہنم بہت بڑی اور بُری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو اس سے محفوظ فرمائے اس مختصر رسالہ میں اگر اسکے متعلق وہ تمام آیات و احادیث جو جہنم کے بیان میں وارد ہیں۔ جمع کیجائیں۔ تو ایک ضخیم جزو تیار ہو جائے۔ لہذا بطریق اختصار مومنوں کی ہدایت کیلئے چند نہایت صحیح اور ضروری حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ جن سے پڑھنے والیکو دوزخ کے عذاب کی نوعیت اور حیثیت معلوم ہو کر موجب ہدایت

ہو سکے - بعض بیدین لوگ بعض روایات کو اور ارشاداتِ نبوی علیہ السلام کو سُنکر مضحکہ اڑاتے ہیں کہ اگر یہ اتنی اتنی بڑی چیزیں ہیں - اور اتنے اتنے بڑے فرشتے ہیں - تو یہ اِسوقت کہاں ہیں - اور یہ اُنکے اعتراضات محض انکی کج فہمی اور کور باطنی کی دلیل ہوا کرتے ہیں - ورنہ ان سے پوچھا جائے کہ جب رات آجاتی ہے تو سورج کہاں گم کر دیا جاتا ہے اور جب وہ اپنے مُعیّن وقت پر طلوع کرتا ہے تو رات جس نے تمام زمانہ ڈھانپ رکھا تھا - کہاں تہ کر دی گئی ہے - ہم نے ایسی واہی تباہی اعتراضات کا جواب مفصل طور پر اسی کتاب میں کسی دوسرے مقام پر دیا ہے - جو مومن کی تسکینِ قلب کیلئے کافی سے زیادہ ہے اور درحقیقت یہ تمام رسالہ ہی ایسے معترضین کی کج بحثی کا جواب ہے - اور ایماندار کیلئے یہ مختصر بیان ایمان کے بڑھاؤ کا باعث ہوگا - احمد اور ترمذی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ویل جہنم میں ایک نالہ ہے جس میں چالیس برس تک کافر اسکی گہرائی تک پہنچنے سے قبل گرتا چلا جائیگا - اور صعود دوزخ میں ایک پہاڑ ہے ستّر برس تک دوزخی اُس پر چڑھیگا - پھر وہاں سے لڑھکیگا اور ہمیشہ اسطرح اسی حال میں رہیگا -

سعید ابن منصور اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ویل جہنم میں ایک نالہ ہے - اس میں جہنمیوں کی پیپ بہتی ہے - تکذیب کرنے والوں کیلئے وہ مقرر کیا گیا ہے - عطا ابن یسار سے اتنا زیادہ ہے کہ اگر اُس میں پہاڑ بنا دیئے جائیں تو اُسکی گرمی سے پگھل جائیں - فسوف یلقون غیا کی تفسیر میں ابن مسعود سے روایت کیگئی ہے کہ غیّ جہنم میں ایک نالہ ہے - یا کھولتے ہوئے

پانی کی ایک نہر ہے۔ اس میں وہ لوگ ڈالے جاوینگے جو خواہشات کی تابعداری کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے عمر رضی اللہ عنہٗ کی روایت سے اور بیہقی نے ابو امامہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر سنٰو اوقیہ کے وزن کا پتھر جہنم کے کنارے سے چھوڑا جائے۔ تو ستر برس تک اُسکے تلے نہ پہنچے۔ یہاں تک کہ وہ غیؔ اور اثام میں پہنچیگا۔ میں نے عرض کی کہ غیؔ اور اثام کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا جہنم میں دو نہریں ہیں جن میں دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے۔ عبد الجبار خولانی سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس دمشق میں ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے آیا۔ اس نے لوگوں کو دنیا میں مبتلا دیکھکر کہا کہ یہ دنیا انکے کس کام آئیگی۔ کیا اِن کے نیچے فلق نہیں ہے کسی سائل نے کہا کہ فلق کیا چیز ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ فلق جہنم کے نیچے ایک گڑھا ہے۔ جسکو اوپر سے ڈھکا ہوا ہے۔ جب اس سے ڈھکنا کھولا جاتا ہے تو اُس سے ایسی آگ نکلتی ہے کہ دوزخ کی آگ اُسکی حِدّت سے چلاّتی ہے۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حب الحزن سے اللہ کی پناہ مانگو۔ عرض کیا گیا کہ حب الحزن کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا جہنم میں ایک نالہ ہے۔ جہنم اس سے ہر روز سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی حدیث سے مرفوعاً روایت ہے کہ تین شخص وہ ہیں جن پر اللہ غصے ہوگا۔ اور انکی طرف التفات نہ فرمائیگا۔ اور نہ ان سے کلام کریگا۔ اور وہ مناکے اندر ہونگے۔ ایک وہ شخص جو تقدیر سے انکار کرتا ہے اور ایک وہ جو خدا کے دین میں بدعت نکالتا ہے۔ اور ایک وہ جو ہمیشہ شراب پیتا ہے الخ۔

جہنم کی گہرائی مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ تھے کہ ہم نے کسی چیز کے گرنیکی سخت آواز سُنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کیسا آواز ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ خدا اور اسکا رسول خوب واقف ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ستر برس کا زمانہ گذرا جب یہ پتھر جہنم میں چھوڑا گیا تھا۔ اور وہ برابر آگ میں اب تک جا رہا تھا۔ یہانتک کہ اسوقت جہنم کی تہ میں پہنچا ہے۔ ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز سُنی۔ جس سے آپ کے مزاج میں تغیّر ہوا۔ اسوقت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے آپ نے فرمایا۔ اے جبرائیل یہ آواز کیسی ہے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ یہ ایک پتھر ہے۔ جو ستر برس سے جہنّم کے کنارے سے چھوڑا گیا تھا۔ اسوقت وہ دوزخ کے تلے میں پہنچا ہے۔ خداوندِ عالم کو یہ بات پسند آئی کہ آپکو اسکی آواز سُنادی۔ پھر اس روز سے بعد حضور علیہ السلام کو کسی نے زور سے ہنستے ہنیں دیکھا۔ یہانتک کہ آپ اِس عالم سے تشریف لیگئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، فرمایا کرتے تھے کہ دوزخ کو بہت یاد کیا کرو کہ اسکی گرمی سخت اور وہ بہت گہرا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بچو ایسی آگ سے جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جو کافروں کیلئے تیار کیگئی ہے۔ بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے وقودھا الناس والحجارۃ کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ اس سے گندھک کے پتھر مراد ہیں۔ جس طرح سے خدا چاہیگا انکو کردیگا۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ دوزخ کے اندر سیاہ گندھک

کے پتھر ہیں - دوزخیونکو ان پتھروں کے ساتھ آگ میں جلاکر عذاب کیا جائیگا۔
قرطبی نے بیان کیا ہے کہ گندھک کے پتھر اس کام کیلئے اِسلئے خاص کئے گئے
ہیں کہ پانچ باتیں ان پتھروں میں ایسی ہوتی ہیں جو اور پتھروں میں نہیں ہوسکتیں ایک
یہ کہ جلدی سے آگ پکڑنا۔ اور روشن ہونا۔ دوسرے بدبودار ہونا۔ تیسرے دھواں
کثرت سے پیدا کرنا۔ چوتھی بدن کیساتھ چمٹنا۔ پانچویں گرم ہونیکے بعد بہت زیادہ
گرم ہونا۔ قرطبی نے کہا کہ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ یہ بات اس آگ کیلئے
خاص ہے کہ جو کافروں کیلئے مقرر کی گئی ہے۔ حضرت انس نے روایت کی
کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی وقودھا الناس والحجارۃ
اور فرمایا کہ دوزخ کو ہزار برس تک جلایا گیا یہانتک کہ وہ سُرخ ہوگیا۔ پھر ہزار
برس تک جلایا گیا یہانتک کہ وہ سفید ہوگیا۔ اور پھر ہزار برس تک جلایا گیا
یہانتک کہ وہ سیاہ ہوگیا۔ اب وہ سیاہ اور تاریک ہے۔ اسکی بھڑک نہیں
بُجھتی۔ شیخین نے ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے کہ بنی آدم جو آگ جلاتے ہیں۔ وہ دوزخ کی آگ کے بہتّر حصّوں سے
ایک حصّہ ہے۔ دوزخ کے لباسوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ کافروں کے
لئے آگ کے کپڑے تراشے جائینگے۔ اور یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ سرابیلھم
من قطران۔ یعنی کپڑے انکے گندھک کے ہونگے اور ایک قرأت میں فرمایا
گیا کہ قطران۔ یعنی پگھلے ہوئے تانبے کے جو بیحد گرم ہوگا۔ ابونعیم نے وہب
بن منبہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ دوزخیوں کو کپڑے دیئے جائینگے۔ مگر ننگا رہنا
اُنکے لئے بہتر ہوگا۔ زندگی انکو دیجائیگی۔ مگر اس سے مرنا بہتر ہوگا۔ ابومالک اشعری

نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلّا کر رونے والی عورت نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کی ہوگی تو قیامت کے روز اسکو کھڑا کرکے گندھک اور خارشت کے کپڑے پہنائے جائینگے۔ ابن حبان نے ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے حاضر ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تجھکو دوزخیونکا زیور پہنے ہوئے دیکھتا ہوں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ دوزخیوں کو زیور بھی پہنایا جائیگا۔ اور دنیا میں لوہے کا زیور پہننا دوزخیوں کی تشبیہ کے باعث حضور نے منع فرمایا ہے۔ حدیثوں میں دوزخ کے متعلق اسقدر طویل روایات اور بیشمار بیان ذکر کئے گئے ہیں۔ جنکو اگر من وعن یہاں لکھا جائے۔ تو ایک علیحدہ ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ دوزخ کے زیورات۔ بستروں۔ زنجیروں۔ طوقوں بیڑیوں۔ گرزوں۔ جہنم کے سایوں۔ کھانے۔ پینے۔ سانپوں۔ بچھوؤں۔ اور مکھیوں کا ایک واضح ذکر ہے۔ کفار کے عذاب کی نوعیت۔ جہنم کے طبقوں دوزخیوں کے چیخنے چلّانے اور صورتوں کے بگڑ جانیکا بھی مفصل بیان ہے مگر بخوفِ طوالت یہاں مختصر لکھا جاتاہے۔ اوسط میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کیلئے جہنم کی گرمی حمام کی گرمی کے برابر ہوگی۔ ابوسعید فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا سب سے ہلکا عذاب دوزخیوں میں جس شخص کو ہوگا۔ اسکو آگ کی جوتیاں پہنائی جائینگی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس امت سے ایک گروہ ایسا دوزخ میں جائیگا کہ آگ انکے تمام جسم کو جلادیگی مگر چہرہ کو نہ جلائیگی۔ پھر وہ اس سے نکال

لئے جاوینگے۔ اسکے متعلق کہ دوزخ میں کون لوگ زیادہ جاوینگے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے گروہ عورتوں کے تم صدقہ کرو کہ میں نے زیادہ تر تمہیں کو دوزخ میں دیکھا ہے۔ ایک عورت نے یہ سُنکر عرض کیا کہ ہم میں کیا بات ہے۔ جو دوزخ میں زیادہ تر ہیں۔ آپ نے فرمایا تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا فسّاق دوزخ میں جاوینگے۔ عرض کیا گیا وہ کون لوگ ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ عورتیں۔ پھر ایک شخص نے گذارش کی کہ کیا یا رسول اللہ وہ ہماری مائیں بہنیں اور بیویاں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ لیکن اگر ان کو کوئی چیز دی جاوے تو فکر نہیں کرتیں۔ اور اگر کوئی مصیبت پڑے تو صبر نہیں کرتیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے روز اس عالم کو ہوگا۔ جسکو اسکے علم نے نفع نہ دیا ہوگا (یعنی وہ بدعمل ہوگا) عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے جو شخص فتویٰ دینے پر زیادہ دلیری اور جرأت کرتا ہے وہ آگ کے اوپر زیادہ جرأت رکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ حضور نے فرمایا جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے۔ وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے۔ حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جس کسی شخص سے علم کی بات دریافت کی جائے پھر وہ اسکو چھپائے۔ خدا تعالیٰ بروزِ قیامت اسکے منہ میں آگ کی لگام دیگا شیخین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ سب لوگوں سے زیادہ عذاب

مصوّروں کو ہوگا۔ حضرت ابنِ عباس سے روایت ہے کہ سب سے زیادہ عذاب اُن لوگوں کو ہوگا جنہوں نے انبیاء کو بُرا کہا ہے۔ اِسی کی مانند ایک روایت حضرت ابنِ مسعود کی ہے کچھ الفاظ کی زیادتی سے انہوں نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کو سب سے زیادہ عذاب اُس شخص کو ہوگا۔ جس نے نبی کو قتل کیا۔ یا اسکو نبی نے قتل کیا۔ اور امام ظالم کو اور مصوّرونکو بھی اسکے ساتھ ہی ذکر فرمایا۔ اللھم احفظنا واجرنا من النارہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ناجی ہونا

خدا کی رحمت جہاں میں تو رؤف بھی ہے رحیم بھی ہے
نسب ترا ہے سب سے اعلیٰ کریم ابنِ کریم بھی ہے

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ معراج میں اکثر مصنفین نے اپنے معراجناموں میں جہاں معائنہ دوزخ کا ذکر کیا ہے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ حضور نے اپنے ماں باپ کو دوزخ میں دیکھا اِسلئے کہ اُنکی موت کفر پر تھی۔ یا یوں لکھا کہ وہ عذاب میں مبتلا تھے۔ گویا وہ قطعی ناری ہیں۔ اور اسلام پر اُن کا خاتمہ نہیں ہُوا۔ قادر یار پنجابی اور ملا علی قاری وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ رکھنا اور ایسا نسبت کرنا جمہور اہلِ اسلام کے خلاف ہے۔ فقیر یہاں یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ متقدمین کی اکثریت اس مسئلہ میں کسطرف ہے اور اہلِ اسلام کو کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے۔ اور جن احادیث واقوال سے قاری اور قادر یار نے یہ مسئلہ لیا ہے۔ اُنکی حیثیت کیا ہے۔ لیکن اس بحث میں پڑنے سے پہلے ان سطور سے آگاہی بھی لازمی ہے کہ تاجدارِ دنیا و عقبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے ایک معزز و ممتاز قبیلہ قریش کے اولوالعزم فرد ہیں۔ اور حضور کی ولادت اس قبیلہ کیلئے تمام قبائل عرب سے موجب صد ہزار فضیلت ہے۔ کیونکہ مقرّبِ بارگاہِ الٰہی حضرت جبرائیل امین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مشارق و مغارب کی سیاحت میں مَیں نے کسی انسان کو محمّد صلی اللہ علیہ وسلم سے

افضل اور کسی خاندان کو بنی ہاشم سے بلند درجہ نہیں پایا۔ اور اسی کے مطابق خود سرکارِ انبیاء محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ربِّ اکبر نے مجھے ذاتی عظمت و سعادت کے علاوہ خاندانی شرافت سے بھی ایسی سرفرازی عطا کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر میرے والدین تک میرا تمام خاندان بدکاری۔ بداخلاقی اور بے احتیاطی سے منزہ ہے پھر کیا امت کو حضور کے اپنے ارشاد پر بھی ایمان نہیں آتا کہ آپکے والدین پر دوزخی ہونیکا گمان کیا جاتا ہے جبکہ اس مسئلہ میں ایک بہترین جماعت علمائے متقدمین کی بھی اسی عقیدہ پر ہے کہ حضور کے سلسلۂ نسب کے تمام وہ افراد جن میں حضور کا نورِ اطہر منتقل ہوتا رہا تمام کے تمام جنّتی ہیں۔ اور قرآن کریم بھی حضور کی اس فضیلت میں مصدق ہے۔ اور یہ بھی فرماتا ہے کہ جو انسان رسولِ خدا علیہ السلام کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستہ کے سوا کسی اور راہ کا متبع ہو وہ جہنّمی ہے پھر کیا عجیب وہ مسلمان ہے جو حضور کے والدین کے متعلق جہنمی ہونیکا عقیدہ رکھکر خود جہنمی ہو جائے (نعوذ باللہ من ذالک)

یہاں پر فقیر بلا لومۃ لائم اس مسئلہ میں اہلِ ایمان کے سامنے اصل عقیدہ کا اظہار کرتا ہے۔ مومنوں کو محبت سے ملاحظہ فرمانا چاہیئے۔ خداوندِ عالم بدعقیدگی سے سبکو مامون فرمائے۔

مواہبِ لدنیہ و دیگر کتب میں بروایت حاکم و طبرانی و دیگر محدثین مروی ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آئے تو اول مسجد میں تشریف لائے وہاں آپنے مجلس عام میں اجلاس فرمایا جیسا کہ حضرت کعب بن مالک نے صحیح میں روایت کی ہے پھر عباس بن عبد المطلب نے اجازت چاہی

آپنے دعائے خیر دیکر انکو اجازت فرمائی تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

من قبلها طبت فی الظلال وفی مستودع حیث یُخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین وقد الجم نسرا واهله الغرق
تنقل من صالب الی رحم اذا مضی عالم بدا طبق
وردت نار الخلیل مکتتما فی صلبه انت کیف یحترق
حتی احتوی بیتک المهیمن من خندف علیاء تحتها النطق
وانت لما ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورک الافق
فنحن فی ذالک الضیاء وفی
النور وسبل الرشاد نخترق

ترجمہ یعنی قبل ولادت شریف آپ ایک عمدہ حالت میں تھے۔ صُلبِ آدم علیہ السلام میں جہاں پیوند لگائے جاتے تھے۔ یعنی جنت میں پھر آپ صُلبِ آدم علیہ السلام میں حضرت آدم کیساتھ زمین پر اُترے۔ نہ اسوقت آپ بشر تھے نہ ٹکڑا گوشت کا اور نہ خون جما ہوا بلکہ صُلبِ سام بن نوح علیہما السلام میں سوار کشتی میں آپ ایک نطفہ تھے۔ درانحالیکہ بُت نسر کو ڈبویا اور اُس کے پوجنے والوں کو طوفان میں غرق کیا۔ آپ اسی طرح ایک عالم کے گذرنے پر دوسرے طبقہ میں ایک پُشت سے ایک رحم میں تشریف فرما ہوتے رہے آپنے نزول فرمایا۔ صُلب خلیل علیہ السلام میں چھُپ کر آتش خلیل میں پھر وہ کس طرح جلتے۔ آپ اسوقت تک اصلاب کریمہ میں منتقل ہوتے رہے۔

یہاں تک کہ آپ کا شرف نسب اولاد خندف بلند نسب سے شامل ہوا درانحالیکہ اس میں اور طبقات بھی تھے۔ اور حضور کی ولادت سے زمین چمک گئی اور اطراف شام روشن ہو گئے اور اب ہم اُسی آپکے نور کی روشنی میں ہیں۔ اور ہدایت کے رستوں پر چل رہے ہیں۔

ان اشعار میں حضرت عباس بن عبدالمطلب اظہار فرما رہے ہیں۔ کہ آپ ہمیشہ اصلاب کریمہ سے ارحام مطاہرہ میں منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ آپنے ظہور فرمایا۔ پھر کس طرح یہ کہا جائیگا کہ وہ صلب اور رحم جن سے آپکا ظہور ہوا ناری تھے۔ جبکہ آپکے نور کی طفیل آگ میں سیدنا ابراہیمؑ محفوظ رہتے ہیں اور اسی نور کے باعث وہ بھی گلزار ہو جاتی ہے۔ امام سیوطی مسالک الحنفا فی والدے المصطفٰے میں لکھتے ہیں کہ امام قاضی ابوبکر ابن العربی سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ناری ہیں تو اسکا کیا حکم ہے۔ امام موصوف نے فرمایا وہ ملعون ہے۔ بحکم اس آیت کے کہ تحقیق جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اُسکے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو البتہ لعنت کرتا ہے انکو اللہ دنیا اور آخرت میں اور اُنکے لئے عذاب دردناک تیار رکھا ہے۔ عیاذاً باللہ۔ اس سے بڑھکر کیا ایذا ہو گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو ناری کہا جائے اور یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی موجب کفر و لعنت ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنتہ میں لکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کسی قسم کا عیب لگانے سے پرہیز کرنا واجب ہے کیونکہ یہ ایذا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو بہ سبب اس بات کے کہ عرف جاری ہے۔ جب کسی شخص کے روبرو اسکے والدین کا عیب کریں یا ایسی تعریف کریں کہ اس سے اسکے والدین کی اہانت نکلتی ہو تو اس سے اولاد کو ایذا ہوتی ہے۔ شفائے قاضی عیاض میں ہے کہ ملک عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہٗ کے روبرو ایک شخص سلیمان بن سعد نے جو اُنکا منشی تھا۔ ایک مرتبہ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین (معاذ اللہ) غیر مسلم تھے۔ سلطان عمر بن عبدالعزیز بہت غضبناک ہوئے۔ اور اسکو خدمت و ملازمت سے جواب دیدیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین میں سے اکثر بزرگانِ دینِ اسلام آباء کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پختگئی ایمان سے قائل ہوئے ہیں۔ مرام الکلام میں مولانا عبدالعزیز پرہاری تحریر فرماتے ہیں کہ جب ملا علی قاری نے رحمتہ اللعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی تکفیر میں رسالہ لکھا اور امام جلال الدین سیوطی کے بعض رسائل کی تردید لکھی تو رات کو اس ارادہ پر سوئے کہ صبح کو اسکی اشاعت کرونگا۔ مگر صبح اُٹھتے ہی سیڑھی سے پاؤں پھسلا اور ٹانگ ٹوٹ گئی اور اسی رات شیخ شہاب الدین رضی اللہ عنہٗ ابن حجر مکی نے خواب میں دیکھا کہ ملا علی قاری کعبہ مبارک کی چھت پر چڑھکر گر پڑے ہیں۔ اسکی تعبیر بھی علامہ ممدوح نے یہی کی کہ بوجہ اہانت والدین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قاری کو اپنے بلندئ درجات سے یہ پستی نصیب ہوئی ہے۔ اور انہوں نے اس مسئلہ میں بڑی سخت ٹھوکریں کھائی ہیں (العیاذ باللہ) بعض علماء نے مسلم شریف کی وہ حدیث لی ہے۔ جسکو حضرت انس رضی اللہ عنہٗ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور پر نور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے

باپ کا ٹھکانا دریافت کیا (کہ وہ جنّت میں ہے یا دوزخ میں) تو حضور علیہ السلام نے فرمایا دوزخ میں ہے۔ راوی نے کہا۔ جب وہ واپس ہُوا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بلا کر فرمایا کہ میرا اور تیرا باپ دونوں دوزخ میں ہیں۔ لیکن علمائے کرام نے اسکا جواب دو طرح پر دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ عرب اپنی عادت کے مطابق چچا کو بھی باپ کہتے ہیں۔ جیسے امام رازی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ تارخ جو مومن تھے اور چچا آذر ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن نے ابیہ آذر یعنی آذر باپ فرمایا ہے۔ ویسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اپنے چچا ابو طالب کو باپ کہکر فرمایا کہ وہ ناری ہیں دوسرا جسقدر احادیث اس باب میں وارد ہیں کہ حضور کے والدین آگ میں ہیں۔ قرآن کریم سے منسوخ ہیں کہ اہلِ فترت کو عذاب نہیں ہے تو گویا مندرجہ بالا مسلم کی حدیث سے اپنے حقیقی والد حضرت عبداللہ کے ناری ہونیکا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ وہ ابو طالب چچا کو باپ کے معنوں میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت کے وصل عادت نبوی میں فرماتے ہیں "مخفی نماند کہ صحت اسلام ابوین بلکہ سائر آبائے وے صلی اللہ علیہ وسلم مشہور است و شیعہ اسلام ابو طالب را نیز ازیں قبیل دانند۔ یعنی حضور علیہ السلام کے والدین شریفین بلکہ تمام پشت تا آدم علیہ السلام کا اسلام مشہور ہے اور اسیو جہ شیعہ ابو طالب کو بھی اسی قبیل سے سمجھتے ہیں اور حضرت شیخ نے ترجمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ "خدائیتعالیٰ جزائے خیر دہد شیخ جلال الدین سیوطی را کہ دریں باب رسائل تصنیف کردہ اند۔ افادہ و اجادہ نمودہ این مدعا را ظاہر و باہر گردانیدہ اند

وماشاء اللہ کہ این نورِ پاک را در جائے ظلماتی پلید بہ نہند۔ و در عرصاتِ آخرت مخزی و مخذول گردانند" یعنی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے شیخ جلال الدین سیوطی کو کہ جس نے اسلام آباء کرام نبی علیہ السلام میں متعدد رسائل لکھے ہیں اور اس مدعا کو ظاہر فرما کر تمام پر اسکے فائدے کا اظہار فرمایا ہے۔ اللہ کی پناہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک کو کفر کی تاریکی میں رکھیں اور آخرت میں انکی رسوائی کریں۔ آیت من انفسکم کی تفسیر میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اسکے یہ معنی ہیں کہ ولادت جاہلیت سے حضرت کو کوئی چیز نہیں پہنچی اور خود سرورِ کائنات فخرِ موجودات نے بھی فرمایا کہ خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح۔ یعنی میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ سفاح سے نہیں ہوا۔ راجہرمزی رحمتہ اللہ علیہ نے مرفوع روایت کی ہے کہ حضور نے آدم سے اپنی ولادت تک اپنے تمام آباء کو نکاح سے مولود ہونا بغیر سفاح یعنی زنا کے بیان فرمایا ہے اس سے مخصوص بصیغہ عقد نکاح ظاہراً مراد نہیں بلکہ مقابل زنا مراد ہے۔ یعنی حرام سے کوئی پیدا نہیں ہوا۔ سب حلال سے پیدا ہوئے۔ خواہ حلت بوجہ عقد کے ہوئی یا حلت بوجہ ملک یمین کے جیسے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ حدیث موصولاً بھی آئی ہے۔ اس میں اتنا زیادہ ہے۔ من لدن آدم الی ان ولدنی ابی وامی لم یمسنی من سفاح الجاھلیۃ شئ۔ یہی وہ حقیقت ہے جسکو حضرت سیدنا جعفر بن ابی طالب نے نجاشی سے اور مغیرہ بن شعبہ نے کسریٰ کے سامنے ذکر کیا تھا۔ اور بہت سے متقدمین نے لفظ انفس کو نفاست سے ہی پڑھا ہے اور مراد اس سے شرف و کرامت و فضل ہی لی ہے۔ یعنی حضور

علیہ السلام جمیع عالم اور جملہ بنی آدم سے اکرم واشرف اور افضل ترین ہیں۔ تفسیر آیت بالمومنین رؤفٌ رحیم۔ میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ عرب میں کوئی قبیلہ مضر و ربیع و یمانی ایسا نہیں ہے۔ جس میں حضرت کا رشتۂ ولادت نہ ہو۔ اس بنیاد پر مقصود ترغیب عرب، نصرت اور ایمان لانے پر ہے۔ کیونکہ اُنکے شرف و فخر کا اتمام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف و فخر سے ہوتا ہے۔ حضرت نسب و صہر و عظمت و کرامت خاندان میں اُن سب سے انفس نفیس تھے حدیث واثلہ بن الاسقع میں بالفاظ ذیل ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ان اللہ اصطفیٰ من ولد ابراھیم اسمٰعیل واصطفیٰ من ولد اسمٰعیل بنی کنانۃ واصطفیٰ من بنی کنانۃ قریشًا واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے اسمٰعیل علیہ السلام کو چُن لیا پھر اولاد اسمٰعیل سے بنی کنانہ کو چُنا پھر بنی کنانہ سے قریش کو خاص کیا۔ اور قریش سے بنی ہاشم کو چُن لیا اور بنی ہاشم سے مجھے فضیلت میں سرفراز فرمایا حضرت عباس بن عبدالمطلب کا لفظ مرفوع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب خلق کو پیدا فرمایا تو مجھکو خیر خلق میں ٹھیرایا پھر جب انکو جدا جدا کیا۔ مجھکو بہتر فریق میں رکھا۔ پھر جب قبائل پیدا فرمائے مجھکو بہتر قبیلہ میں کیا اور جب النفس پیدا کئے تو مجھکو خیر النفس ٹھیرایا۔ پھر جب خاندان بنائے تو مجھکو بہتر خاندان میں دیا۔ فانا خیرھم بیتًا وخیرھم نفسًا۔ اسی کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کے الفاظ ہیں۔ یہ تمام حدیثیں اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرف و کرامت نسب و حسب میں نخبۃ النخبۃ اور خلاصۃ الخلاصۃ و صفوۃ الصفوۃ اور خیرۃ الخیرۃ تھے۔ علامہ سید محمد برزنجی

مدنی لکھتے ہیں کہ بیشمار وہ بزرگانِ دین گذرے ہیں۔ جنہوں نے اسلام والدین شریفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام آبا وکرام و اُمہاتِ عظام حضور علیہ السلام پر مدلّل رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ محدث ابونعیم دلائل النبوۃ میں یہ حدیث لائے ہیں۔ کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے۔ رسولِ خدا علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔ اصل عبارت حدیثِ مبارک یوں ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات۔ ایک اسی مضمون کی حدیث سنن بیہقی میں بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں ہوں محمدؐ ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف یونہی اکیس۲۱ پشت تک نسب نامہ مبارک بیان کر کے فرمایا کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوتے مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں پیدا فرمایا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانۂ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں آدم علیہ السلام سے لیکر اپنے والدین تک خالص نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہترین ہیں۔ الحاصل الفاظ مختلفہ سے احادیث کثیرہ اس بارے میں وارد ہیں۔ جنکو مفصل لکھنا کتاب کے حجم کو بڑھائیگا قارئین کی تصدیق کو ہم یہاں صرف اُنکے حوالہ جات درج کئے دیتے ہیں جنکو تحقیق کی ضرورت ہو اصل سے ملاحظہ کرلے۔ مثلاً اسی مسئلہ پر ایک حدیث صحیح مسلم جلد دوم کے کتاب الفضائل میں آئی ہے۔ دوسری بروایت ابن عباس

رضی اللہ عنہ، ترمذی میں۔ تیسری طبقات ابن سعد میں بروائیت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ذکر کی گئی ہے۔ چوتھی قاضی عیاض مالکی کی بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ہے۔ جنکا ملخص ترجمہ یوں ہوتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ذاتِ مقدس ہے جو برگزیدہ کی گئی ہے اور خدا نے پاک صُلبوں اور پاک رحموں سے حضور کو مبعوث فرمایا ہے۔ آپ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر تا ابوین شریفین اصلابِ طیبہ اور ارحامِ طاہر سے تشریف لائے۔ اور حضور کے جمیع آباء کرام مومن و مسلمان تھے۔ مشکواۃ شریف کی کتاب الفضائل میں ایک اور حدیث بروائیت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں بہترین طبقوں سے بنی آدم کے ہر زمانہ میں بھیجا گیا ہوں۔ یہانتک کہ میں اس طبقہ میں ہوں جو بہترین طبقہ ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ خیرِ قرون سے مراد بنی آدم کا وہ طبقہ ہے جس طبقہ میں حضور کے اجدادِ کرام علیہ السلام تھے اور آنحضرت اُنکی پشتوں میں تھے۔ حضور سرورِ عالم آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، اپنے والد بزرگوار تک کفر کی بُرائی زنا کی پلیدی اور شرک کی نجاست سے بالکل پاک ہیں۔ جسکے متعلق سرکارِ انبیأ خود فرماتے ہیں کہ میں پاک صلبوں سے پاک رحموں کیطرف آیا ہوں۔ ان احادیث واقوال ائمہ و بزرگانِ دین سے معلوم ہوا کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء شریفہ و اُمہات لطیفہ حضرت آدم و حوّا علیہما الصلوٰۃ والسلام سے لیکر حضرت عبداللہ و آمنہ رضی اللہ عنہما تک مومنین تھے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کرام بقول جمہور حضرت عبداللہ والد

ماجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر حضرت سیدنا ابو البشر آدم علیہ السلام تک پچاس مذکور ہوئے ہیں۔ جنکی تفصیل یوں ہے۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر الموسوم بہ قریش بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس المعروف بہ یاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن ادد بن یسع بن ہمیسع بن سلامان بن حمل بن قیدار بن اسمٰعیل ذبیح اللہ بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ بن تارخ بن ناخور بن شاروخ بن ارعو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن قینان بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ المعروف بہ ادریس بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام وعلی نبینا۔ اور آپکی والدہ مطہرہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ کلاب تک جا ملتا ہے اور بقول بعض محققین آدم علیہ السلام تک حضرت آمنہ کی انچاس پشتیں ہوتی ہیں۔ حضرت امام ابن الکلبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمہات کرام کا پانچسو اُمہات تک سلسلہ لکھا ہے۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام نانیاں دادیاں اور انکی تمام بہنیں یعنی خالائیں وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام اُمہات کرام علیہن الرحمۃ والرضوان مومنہ ومتقیہ تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم۔ بفتح فاء تلاوت فرمائی اور زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ میں از روئے نسب وصہر وحسب تمہارے میں کا نفیس ترین ہوں

اور میرے آباءِ کرام میں آدم علیہ السلام سے لیکر میرے والدین تک کوئی سفاح نہیں تھا۔ بلکہ نکاح تھا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روائیت میں آیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ پڑھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَنفُسِکُم اور فرمایا کہ تحقیق میں تمہاری طرف نفیس ترین از روئے حسب ونسب کے آیا ہوں اور میرے آباءِ کرام میں آدم علیہ السلام سے لیکر میرے والدین تک سفاح نہیں بلکہ نکاح تھا۔ اور بیہقی میں ہے کہ فرمایا میرے آباءِ کرام تمام تر مسلمان تھے اور آیت کریمہ وتقلبک فی الساجدین۔ کی تفسیر میں بھی بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اطہر ساجدون سے ساجدون کیطرف منتقل ہوتا رہا۔ جس سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ آپ کے ابوین شریفین اہلِ جنت ہیں اور یہی پاکیزہ عقیدہ اکثر متقدمین ومتاخرین اہلِ سنت والجماعت رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے اور تمام مسلمانوں کو اللہ کریم اسی پر رہنے کی توفیقِ رفیق فرمائے تاکہ کسی بدعقیدگی سے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں بے ادب و گستاخ ہو کر مغضوب ہوں وباللہ التوفیق۔

مسئلہ معراج اور معترضین

صفت بادۂ عشقش ز منِ مست مپرس ؎
ذوقِ ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

راویانِ والا تبار فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی معراج کی خبر جب مکہ معظمہ میں مشہور ہوئی۔ تو معاندین نے منکرین کی صورت بنا کر حضور علیہ السلام کیخدمت میں عرض کیا کہ ہم آسمانوں کے حال سے تو باخبر نہیں ہیں۔ مگر اپنی سیر وسیاحت اور دنیوی کاروبار کے لحاظ سے بیت المقدس کو جانتے ہیں۔ اور ہم سے بہتوں نے اسکو دیکھا بھی ہے۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپکو کبھی وہاں کا سفر پیش نہیں آیا۔ اور نہ آپنے اُسکو دیکھا ہے۔ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اُسکی نشانیاں بتائیے۔ تب ہم آپ کی تصدیق کرینگے۔ اُسوقت حضور علیہ السلام کو ایک قسم کا ملال ہوا۔ اور قلبِ اطہر میں خیال آیا کہ مَیں ہنگامِ آمد و رفت اطراف وجوانب اور آیات وعلامات بیت المقدس کو کما حقہٗ نہ دیکھ سکا پھر کیسے بیان کرونگا۔ ابھی یہی تامل خیالِ مجید میں متحرک تھا کہ جبرائیل علیہ السلام بحکمِ ربِ جلیل جلشانہٗ فوراً بیت المقدس کو اپنے پروں پر اُٹھا کر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے۔ اور جو جو باتیں معترضین نے بطریقِ اعتراض دریافت کیں یا کرتے گئے۔ آپ اُنکا جواب عینی ملاحظہ کی بنا پر دیکھ کر فرماتے گئے۔ جیسا کہ ابوسلمہ نے کہا مَیں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سُنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب اسراء بیت المقدس کی خبر میں قریش نے میری تکذیب کی۔ تو میں حجر میں کھڑا ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر کر دیا۔ پس میں اسکو دیکھتا تھا۔ اور اُسکے نشانات قریش کو بتلاتا جاتا تھا۔ ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں مقام حجر میں اس حال سے کھڑا تھا کہ قریش مجھ سے شب معراج کی سیر پوچھتے اور خانہ بیت المقدس کی بہت سی چیزیں دریافت کرتے جاتے تھے۔ جنکو میں نے بوقتِ قیام بیت المقدس محفوظ نہیں رکھا تھا۔ جس سے مجھے کرب ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے واسطے اس طرح بلند فرمایا کہ میں اُس کو دیکھتا تھا۔ اور جو کچھ انہوں نے پوچھا۔ میں صلعم نے اُنکو اُسکی خبر دی۔ پھر گمراہوں کو جب اپنے اعتراضات کا جواب شافی ملا۔ اور مجالِ دمِ زدن نہ رہی تو کہنے لگے کہ مسجدِ اقصیٰ کے اوصاف و آثار تو آپ نے من وعن سب بیان فرما دیئے ہیں۔ اب ہمارے قافلونکی جو اس طرف یعنی بیت المقدس کو تجارت وغیرہ امور کیلئے گئے ہیں خبر دیجئے کہ آیا اُن سے بھی حضور نے ملاقات کی یا نہیں اور کس کس سے راستہ میں علیک سلیک کا موقعہ ملا۔ اور اگر ملا تو کہاں اور کیسے۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے تین قافلے مجھے راہ میں ملے تھے۔ ایک تو رَوحا میں ملا۔ جو اپنا گم شدہ اونٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے اُنکے برتن سے پانی پیا تھا۔ جب وہ آئیں تو تم اُن سے دریافت کرنا کہ انہوں نے تلاش اونٹ سے واپس آکر اپنے برتن میں پانی پایا یا نہیں اور دوسرا قافلہ مجھے ذی مروہ میں ملا تھا۔ دو آدمی اس کے

ایک اونٹ پر سوار تھے۔ کہ مرکب اُنکا میرے مرکب سے بھڑکا۔ اور اُن دونوں میں سے ایک کا گر کر ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اسی طرح کی ایک اور روائیت ہے کہ حضور جب واپسی پر سوار ہی تشریف لا رہے تھے۔ ایک مقام پر ایک اور قافلہ ملا۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں کہ راہ میں ہمارا گذر قریش کے ایک قافلہ پر ہُوا۔ جو اپنے اونٹوں پر اناج لادے ہوئے آتا تھا۔ اِن میں ایک اونٹ پر دو بوریاں تھیں ایک کا رنگ سیاہ اور دوسری کا سفید تھا۔ جب میرا براق اس اونٹ کے برابر پہنچا تو وہ بدکا اور چکرا کر منہ کے بل گر پڑا۔ اور اسکی گردن ٹوٹ گئی۔ اور تیسرے قافلے کو میں نے مقام تنعم میں چھوڑا تھا۔ فلاں فلاں شخص ان میں کے خاکستری اونٹ پر سوار قافلہ کے آگے آگے چل رہے تھے اور وہ کل ہی طلوع آفتاب تک یہاں آجائیگا۔ یہ سُنکر معترضین طلوعِ آفتاب کے منتظر رہے کہ اگر طلوعِ آفتاب ہو جائے اور قافلہ نہ آئے تو ہم حضور علیہ السلام کو منسوب بہ کذب کرینگے کہ ناگہاں آفتاب طلوع ہوا۔ لوگوں نے دوڑ کر دیکھا۔ تو وہی قافلہ وارد مکہ ہو رہا ہے۔ اور وہی دو شخص خاکی اونٹ پر سوار قافلہ کے آگے آگے چلے آرہے ہیں۔ پھر بعد واپسی بقیہ قافلوں کے حالات معلوم کئے گئے۔ سب نے حضور کی تصدیق فرمائی اور بعینہٖ حضور علیہ السلام کا فرمودہ حال بیان کیا۔ مگر بعض مذبذبین اس پر بھی ایمان نہ لائے اور کہنے لگے ماھذا الا سحرٌ مُبین۔ بعض اہلِ تحقیق نے لکھا ہے کہ معراج شریف کی واپسی پر جب حضور حرم شریف میں تشریف فرما ہوئے تو سب سے پہلے ابوجہل مردود ہی حضور کے سامنے آیا۔ اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ فرمائیے کیا بات ہے جو صبح صبح ہی حرم میں سہل نشینی ہو رہی ہے۔ کیا کوئی نیا انکشاف ہوا ہے

یا کسی نئی بات کے اظہار کا ارادہ ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے واقعہ معراج شریف جسمانی بیان فرمایا۔ چونکہ روحانی معراج کے کفار بھی قائل تھے۔ اسلئے جسمانی.. معراج کو سُنکر ابو جہل کا دماغ چکرایا کہ یہ کیا حقیقت ہے۔ انسان اپنی کثافت جسمانی کے ساتھ پروازِ آسمانی کرے محال ہے۔ لیکن وہ کمبخت یہ نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ایک بڑے سے بڑے بزرگ انسان کی جان سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ الغرض اس نے واقعہ معراج کو سُنکر اپنے خبثِ باطنی سے یہ نتیجہ نکالا کہ جو لوگ پہلے آپکی نبوت کے قائل ہو چکے ہیں اب اُنکے مرتد کر لینے کا ذریعہ ہاتھ آیا۔ نہ اس امر کی کوئی تصدیق کریگا۔ اور نہ کوئی دماغ اسکی تصدیق میں تیار ہو گا۔ لہذا سرکارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز کو جھٹلانے اور لوگوں کو بیدین کرنے کی غرض سے اہلِ مکہ کے دروازوں پر پہنچا کہ آؤ تمہیں ایک نئی بات سُنائیں۔ تمہارے نبی علیہ السلام نے آج ایک وہ نئی بات بنائی ہے کہ جسکو عقل باور نہیں کرتی۔ اور ہر ایک کو واقعہ معراج جو حضور علیہ السلام سے سُن گیا تھا۔ کچھ صحیح کچھ غلط بیان کرتا۔ بعض اُسکی تائید کر جاتے اور بعض نے تردید کی اور اسی صورت میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر گیا اور اُن سے بھی وہی باتیں دُہرا کر کہنے لگا کہ بھلا تم ہی بتاؤ۔ انسان سے یہ ممکن ہے کہ وہ لمحوں میں سیر افلاک جنت و دوزخ، سدرہ و عرش کر کے اتنی جلدی واپس آئے کہ بستر گرم اور دروازہ کی زنجیر ہل رہی ہو۔ تو عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے کہ کمبخت کوئی بات تو اپنے مُنہ سے تو بنا کر نہیں کہہ رہا۔ اُس نے کہا ہرگز نہیں

آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف میں بیٹھے ہیں چل کر معلوم کرلو تمہیں میرے بیان کی تصدیق ہو جائیگی کہ انہوں نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، جواب دیتے ہیں کہ اگر میرے مولا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تو مجھے جا کر تصدیق کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو حضور نے فرمایا ہے۔ صحیح ہے۔ ابوجہل وہاں سے کھسیانا ہو کر چلا آیا۔ صاحبِ سیرواخبار لکھتے ہیں کہ معراج شریف کی واپسی پر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو سب سے پہلے کوئی اپنا غلام ملنا چاہیئے تھا۔ جو حضور کی فوراً تصدیق کرتا۔ مگر قدرت الہی ابوجہل جیسا مخالف ترین شخص ملا۔ اُسکی وجہ یہ تھی کہ مولا کریم نے تجویز کر دیا کہ غلام تصدیق کر کے خدمت میں ہی حاضر رہیگا۔ اور میرے محبوب کی اس شانِ رفعت کو جو واقعہ معراج سے حاصل ہوئی ہے۔ لوگوں میں مشتہر کرنیکے لئے زیادہ کام کرنا پڑے گا کہاں ہر ایک سے فرماتے پھرینگے۔ کہ مجھے معراج ہوئی۔ ایک ایسے مردود سے خدمت لے لی جو اپنے عناد اور حسد کے جوش میں ہی اہلِ مکہ کو واقعہ معراج سُننے کیلئے اکٹھا کر دے۔ اور میرے محبوب ایک ہی وقت میں سب لوگوں کے گوش گذار کر دیں۔ سبحان اللہ قدرتِ الہی جب اپنا کام لینا چاہتی ہے تو مخالفوں مطالقوں، انسانوں، حیوانوں مٹی کے ڈھیلوں اور پتھر کے کوئلوں سے بھی لے لیتی ہے اور وہ بہترین انتظام کی مالک ہے۔ ابوجہل کی عقل پر جہالت اور گمراہی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس وجہ سے یہ واقعہ معراج اسکی سمجھ میں نہ آیا۔ اُسکی کوتاہ بینی اور کور باطنی نے انکار کیصورت اختیار کر لی۔ بر خلاف اس کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عقل نورِ ایمان سے روشن اور منور تھی۔ انہوں نے

سُننتے ہی اُسکی تصدیق کی۔ پس جو اشخاص اب بھی ابوجہل مردود کی طرح نافہم اور کور باطن ہیں وہ متبع ابوجہل بنکر انکار کر جاتے ہیں۔ اور جو تابع حضرت صدیقِ اکبر رضی ہیں۔ اور ایمان روشن رکھتے ہیں۔ وہ آج بھی بغیر تصدیق صداقت نہیں رہ سکتے۔

زمانہ حاضرہ کے بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ درحقیقت یہ معراج نبوی ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ جو بیداری کے معنوں میں آجانا حقیقتاً ہوسکتا ہے۔ اور ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک ملکی جسم کیساتھ حسب استعداد نفسِ ناطقہ اپنے کے آسمانوں کی سیر کرسکتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس ناطقہ کی استعداد نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اسلئے وہ اپنی سیر ومعراج میں عرشِ اعظم تک پہنچ گئے۔ دراصل یہ سیر انکشافی تھا۔ جو ایک حد تک بیداری کے مشابہ ہوسکتا ہے۔ بلکہ اسکو ایک قسم کی بیداری سمجھنا چاہیئے اس کا نام خواب نہیں رکھا جاسکتا۔ مگر یہ سیر اس جسم کثیف کیساتھ بھی ہرگز نہ تھا یہی تحقیق چودھویں صدی کے ایک نامور محقق اور قابل مورخ علامہ شبلی نعمانی۔۔۔ مصنف سیرت النبی کی ہے۔ اور اسی طرح بہت سے دیگر اہلِ تحقیق نے بھی صحت عقائد سے دور رہ کر وہ صریح ٹھوکریں کھائی ہیں کہ جنکی حد نہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی معراج چونتیس ۳۴ ہوئے جنکا ذکر ہم نے اسی کتاب کے کسی دوسرے مقام پر کیا ہے۔ اور ان چونتیس ۳۴ معراجوں پر کفار نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس معراج میں کوئی خاص بات تھی۔ جس پر حضور علیہ السلام کا دعویٰ سُنتے ہی کفار مخالفت کرنے لگ گئے۔ اور اس دعویٰ کو حیطۂ بشریت سے محال جان کر آپ کی تکذیب کے درپے ہوگئے۔ معلوم

ہُوا۔ کہ حضور خواب یا کسی اعلیٰ درجہ کے کشف کو ظاہر نہ فرما رہے تھے۔ ورنہ کافروں کو جھٹلانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیونکہ خواب میں ہر ایک انسان عجائبات دیکھ سکتا ہے۔ پھر ایسی حالت کس خصوصیت کی محتاج ہوتی ہے۔ اور اسکی عظمت و شان کیسی۔ قرآن کریم کا اس واقعہ کو نہایت اہتمام و خصوصیت کے ساتھ بیان کرنا۔ اور بطور معجزہ مخالفین کے سامنے لانا۔ حضور علیہ السلام کے سینہ کا چیرا جانا۔ آپ کا براق پر سوار ہونا۔ مسجدِ اقصیٰ میں اپنی نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ امامت انبیاء کرانا۔ سوالوں جوابوں کا ہونا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اُنکی اصلی شکل میں دیکھنا۔ سدرۃ المنتہیٰ میں دودھ کا پینا۔ پچاس نمازوں کے فرض ہونے پر موسیٰ علیہ السلام کی درخواست سے متواتر تخفیف کی گفتگو کرنا جنّت و دوزخ کا ملاحظہ فرمانا۔ صبح مکہ میں کرنا۔ اور اس واقعہ کے اظہار و بیان میں تامّل و تردّد سے کام لینا۔ پھر قریش کا تمسخر اُڑانا۔ اور انکار و تعجب کرنا۔ بقول بعض راویوں کے بعض ضعیف الاعتقاد لوگوں کا اس واقعہ کو سُنکر مرتد ہوجانا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ و تعالیٰ عنہ کا اس واقعہ کی تصدیق پر صدیق کا لقب پانا۔ متعدد قافلوں کے افراد کا راستہ میں حضور سے ملاقات کا بیان کرنا۔ بعض اہلِ قافلہ کی سواریوں سے آپکے براق کا بھڑنا۔ اور کسی کا گِر کر بازو ٹوٹنا۔ تمام صحابہ سلف و خلف کا معراج جسمانی پر اجماع ہونا۔ یہ سب امور جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج شریف جسم و روح دونوں کیساتھ تھا۔ اور عالمِ بیداری میں ہُوا تھا۔ کیونکہ خواب کفار کے حق میں جب تک وارد نہ ہو۔ بطریق معجزہ نہیں ہُوا

کرتا۔ اور نہ شقِ صدرِ جسمانی، روحانی وانکشافی معراج کیلئے ضروری ہے۔ نہ روحانی وانکشافی پرواز محتاجِ براق تھی۔ اور نہ نمازوں کی فرضیت کوئی خوابی فعل تھا۔ پھر ایسے اہم واقعہ کو جسکے ایک ایک جزو کا تعلق جسمانیت کا مقتضی ہے۔ بلاوجہ محض موجودہ سائنیس وعلوم سے مرعوب ہوکر بیجا تاویلات سے کام لینا اور الفاظ قرآنی کو اصل مفہوم سے بلادلیل شرعی ظاہر سے پھیرنا ایک مومن کی شان سے بعید اور انتہائی درجہ کی ڈھٹائی ہے۔ اگر عقائد حقہ کی تعبیر وتفسیر میں یونہی بیجا اور دور از کار تاویلوں سے کام لیا جائے۔ تو سمجھا جا سکتا ہے کہ اسلامی عقائد سے کوئی سا عقیدہ بھی ایسا نہ ہوگا۔ جو روحانیت سے متعلق نہ کیا جا سکے۔ اور ان تاویلات باطلہ و وہمیہ کا شکار نہ ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔

وکان ھذہ الاسراء بجسمہ الشریف ولو کان الاسراء بروحہ صلی اللہ علیہ وسلم ویکون رؤیا کما یرے النائم فی نومہ ما انکرہ احد من قریش ولا نازعۂ فیہ وانما انکروا علیہ کونہ اعلمھم ان الاسراء کان بجسمہ الشریف فی تلک المواطن التی دخلھا کلھا۔

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسم شریف کیساتھ ہُوا ہے۔ اگر روح کیساتھ خواب یا نیند میں ہوتا تو کفار اس سے انکار نہ کرتے اور نہ جھگڑا کرتے۔ یہ جھگڑا محض اسلئے کیا تھا۔ کہ حضور علیہ السلام نے انکو معراج جسمانی کی خبر دی تھی۔ اور اُن مقامات کی خبر دی تھی۔ جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے تھے۔

لہذا ہر پاکیزہ سرشت انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی عقل نارسا پر بھروسہ کر کے اسرارِ غیب اور دقائق ملکوت کی نسبت ملحدانہ انکار نہ کرے۔ بلکہ نبوت کے انوار سے مستفید ہوکر الٰہیات کی کنہ تک پہنچے۔ بعض کج فہم خود بخود مجتہد بنکر خدائے غالب کی لاتعداد حکمتوں کو اپنے عقل کے دو انچی گز سے ناپنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے فہم و فراست کی یہ بساط رکھتے ہیں کہ اُنکو اپنے وجود ہی کا علم نہیں۔ مشاہدہ بتا رہا ہے کہ آگ مٹی پانی ہوا وغیرہ جو ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں۔ انہی کے بارے میں دنیا کے عقلا اور فلاسفروں کا اتفاق نہیں۔ جو دلیل ایک قائم کرتا ہے دوسرا اُسکی تردید کر دیتا ہے۔ پس ملکوتی دقائق اور الہیات کے متعلق کسی یاوہ گو اور پابند عقلِ سفلی کا کوئی لچر اعتراض کہانتک قابلِ سماعت اور لائقِ اعتنا ہو سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اسرائے بیت المقدس اور ہے اور معراج سماوی اور ہے یعنی معراج سماوی غیر شبِ اسرائے کے تھی۔ اور سیر بیت المقدس جو قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ حالتِ بیداری و جسمانی میں ہوئی۔ مگر معراج سماوی روحانی صورت میں۔ کیونکہ بعض احادیث سے معراج سماوی میں سواری براق کا تذکرہ نہیں بلکہ یہ اسرائے بیت المقدس میں ہے۔ اسکے علاوہ بعض اہلِ عقل نے تو ایک نئی تنقیح اور نکالی ہے کہ اسرائے بیت المقدس جسم مطہر کے ساتھ بیداری میں ہوا اور اس سے آگے صعود الی السماء انکشافِ روحانی تھا۔ لیکن یہ ایک ہی سفر ہے۔ وقوع کے لحاظ سے دو جُدا جُدا امر نہیں ہیں۔

اسکے متعلق گرفتارانِ عقل کو جو چیز ایسی تنقیحوں پر مجبور کر رہی ہے۔ وہ صرف

حضور علیہ السلام کا جسمِ اطہر کیسا تھ صعود الی السماء ہے۔ جنکی مزعومہ نسبتِ کثافت انکو آگے قدم نہیں رکھنے دیتی۔ کاش کہ وہ حضور علیہ السلام کی جسمانیت کو سمجھ سکتے در اس مخمصہ میں نہ پڑتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن احادیث میں سواری براق کا تذکرہ معراج سماوی کی نسبت نہیں ہے وہ راویونکی طرف سے بطریقِ اشتباہ یا اختصار بیان کی گئی ہیں۔ اور اسی پر محدثین متفق ہیں۔ جیسے کہ بعض احادیث میں حضور علیہ السلام کے سامنے شبِ معراج میں تین پیالوں۔ دودھ اور شراب اور شہد کا پیش کیا جانا بیان ہوا ہے۔ اور بعض میں صرف دودھ اور شہد یا دودھ اور شراب ہی کا ذکر ہے۔ اور بعض میں مقام انبیاء اور محل ملاقات میں ابراہیم علیہ السلام کا چھٹے آسمان میں ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور بعض میں بیت المعمور کے ساتھ تکیہ لگائے ہوئے ساتویں آسمان میں مذکور ہوا ہے تو یہ بسبب اشتباہ راویوں کے ہے نہ کہ اختلاف وقوع میں۔ جمہور محققین کا مذہب یہ ہے کہ یہ واقعہ معراج بیداری میں حالت بدنی کے ساتھ ایک ہی بار ظہور میں آیا ہے۔ علیحدہ علیحدہ دو واقعات روحانی اور جسمانی نہیں ہیں۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ اسرائے بیت المقدس جسمانی بحالت بیداری اور معراج سماوی کشفِ روحانی تھی۔ تو اسکی وضاحت کردی جاتی ہے۔ تاکہ معترضین اصحاب کو یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ جس مالک الملک اور قادر و توانا کی ذات اور قدرت بیت الحرام سے بیت المقدس جیسا طویل سفر رات کے بعض حصہ میں اپنے محبوب کو باجسم مطہر کرا سکتی ہے۔ وہ اس سے آگے بھی اسیطرح قادر ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اس اشکال کو (جو انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھنے پر باوجود.. اسکے کہ بدن انکے قبروں میں ہیں لازم [illegible] ہے) لکھکر جواب دیا ہے کہ ارواحیں

انکی بدنوں کی صورتوں میں متشکل ہوئیں تھیں یا انکے بدن معہ ارواح حضرت کی ملاقات کو حاضر ہوئے تھے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا اس دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد چلنا۔ پھرنا احادیث سے ثابت ہے۔ اور وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمایا ہے کہ انکے بدنوں کو کھائے۔ اور بدن انکے ارواحوں کی مانند لطیف ہیں۔ پس انکے ظہور کیلئے عالم ملک وملکوت میں بوجہ کمال قدرت ذوالجلالی کوئی بھی ایسا امر مانع نہیں ہے۔ جیسے قرطبی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کو حضور علیہ السلام کی اقتداء کیلئے جمع فرمادیا۔ اور سات جماعتیں حضور کے پیچھے تھیں یہاں یہ امر بھی خاص طور پر قابلِ یادداشت ہے۔ کہ بیت المقدس میں امامت انبیاءؑ علیہم السلام کیلئے حضور علیہ السلام کو امام بنایا جانا باجسم عنصری تھا۔ کیونکہ نماز محض ارواح پر نہ تھی۔ اور نہ ارواح از روئے شرع شریف مکلف بہ نماز ہوسکتی ہیں پھر اسکے ساتھ یہ بھی لازم آتا ہے کہ امام جسمانی کی اقتداء میں محض ارواح کا حاضر ہونا جماعت شرعی اور امامت شرعی کے منشاء کو پورا نہیں کرتا۔ تو اشکال یہ پیدا ہوگا کہ حضور علیہ السلام اگر باجسدِ عنصری امام الانبیاء ہوئے تھے تو تمام انبیاء علیہم السلام بھی بااجسام مقتدی بنے ہونگے۔ جبکا اصولِ شرع بھی مقتضی ہوسکتا ہے۔ اور اگر حضور کی امامت بہ روحانیت محضہ تھی۔ تو پھر بھی عیسیٰ اور ادریس علیہما السلام نے اقتداء نہ کی ہوگی کیونکہ وہ دونوں بہ اعتقاد جمہور اہلِ سنت والجماعت باجسدِ عنصری آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں۔ اور روح کی امامت میں جسمانیت کیساتھ اقتداءً شرعاً صحیح اور قابلِ قبول نہیں۔ اور نہ ایسا ہوسکتا ہے تو اس اشکال کا حل بھی

حال یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام کی امامت باجسمِ مطہر ہی تسلیم کی جائے اور عیسٰیؑ و ادریس علیہما السلام کیساتھ ساتھ باقی تمام انبیاء کی حاضری بھی باجسامِ لطیفہ مانی جائے پھر ازروئے شرع شریف بیت المقدس کی نماز کوئی نماز اور اسکی امامت واقتدا من حیثیت الامامتہ والاقتداء ہوسکتی ہے۔ ورنہ جن حضرات کے نزدیک یہ امامت و اقتداء روحانی تھی انکے پاس عیسٰی و ادریس علیہما السلام کی شمولیت کا کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ حدیثوں میں تمام انبیاء علیہم السلام کی شمولیت فرمائی گئی ہے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ لطافت اجسام کے لحاظ سے انکے لئے کوئی بھی ایسا امر مانع نہیں چنانچہ مشکوٰۃ میں مسلم سے روایت ہے کہ ابنِ عباس نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جنگل میں گذرے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا جنگل ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ وادی الازرق ہے حضور نے فرمایا۔ مَیں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا ہوں اور انکے رنگ اور بالوں کا حال بیان فرماکر کہا کہ موسیٰ دونوں کانوں میں انگلیاں رکھے ہوئے (جس طرح اذان میں ہوتا ہے) اور ساتھ لبیک کی بلند آواز کئے گذرے چلے جاتے ہیں۔ پھر ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ اسی جنگل میں آگے چلے تو ایک پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کونسا پہاڑ اور کونسی گھاٹی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ پہاڑ ہرشا یالِفت ہے۔ آپ نے فرمایا گویا مَیں دیکھتا ہوں یونس علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر سوار جسکی مُہار پوست خرما کی ہے۔ پشمینہ کا جبہ پہنے ہوئے حج کیلئے لبیک کہتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ صاحبِ مواہب نے دو تین معنے اسکے بیان فرماکر ایک یہ بھی اختیار فرمائے ہیں کہ حضور کا وہ دیکھنا حقیقی تھا۔ کیونکہ

انبیاء اپنے پروردگار کی نزدیکی میں زندہ ہیں۔ انکو روزی دیجاتی ہے پھر کچھ مشکل نہیں کہ وہ اس حالت میں حج کریں۔ حضرت شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "چون اتفاق است بر حیات انبیاء علیہم السلام بحیاتِ حقیقی دنیاوی لیکن محجوب انداز نظر عوام۔ پس بحقیقت نمود ایشاں را بحبیبِ خود صلی اللہ علیہ وسلم بے منام و بے مثال و بے اشتباہ و بے اشکال"۔ مشکواۃ کے باب المعراج میں ایک حدیث آئی ہے۔ جسمیں بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے آسمان پر حضرت آدم۔ دوسرے پر حضرت یحییٰ اور عیسیٰ۔ تیسرے میں حضرت یوسف، چوتھے میں حضرت ادریس۔ پانچویں میں حضرت ہاروں۔ چھٹے میں حضرت موسیٰ۔ ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہم السلام ملے۔ تو اس سے معلوم کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر تشریف لیجانے سے قبل ہی تمام انبیاء بیت المقدس میں ملاقی ہوئے تھے اور نماز نافلہ حضرت کی اقتداء میں ادا فرمائی تھی اور پھر وہی انبیاء آسمانوں پر ملے تو ان میں یہ طاقت کیونکر ہوئی کہ حضور سے بیت المقدس میں بھی ملاقات فرمائیں اور حضور سے قبل اپنے اپنے مقامات سماویہ پر بھی حضور کے استقبال کو موجود ہوں۔ اور اگر کہا جائے کہ یہ صرف ارواح انبیاء اقتداء میں حاضر ہوئیں تھیں اور ارواح میں یہ سرعت وصعود ممکن ہے تو ہم یہ کہینگے کہ عیسیٰ اور ادریس علیہما السلام کی تو روحیں نہ تھیں۔ کیونکہ بہ اعتقاد جمہور اہلِ اسلام یہ دونوں حضرات با جسمِ ظاہری آسمانوں پہ اٹھائے گئے ہیں۔ یہاں کونسی تاویل عمل میں آئیگی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تو واقعہ معراج میں تین مرتبہ تین مقامات میں موجودگی کا آیا ہے

اُنکی کیا تقسیم ہوگی۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ مَیں نے موسیٰؑ کو دیکھا اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر انہوں نے بیت المقدس میں حضور کے پیچھے بھی اقتداء کی۔ پھر چھٹے آسمان پر بھی ملے۔ چنانچہ یہ تینوں روائیتیں صحیح مسلم میں موجود ہیں زرقانی نے موضع حیات فی القبر میں اس تعارض کو یوں اُٹھایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کھانے پینے کیلئے فراغت کے مقامات ہیں۔ جہاں چاہیں جائیں پھر لوٹ آئیں۔ بلکہ ایک حدیث میں تو حضرت جعفرؓ کا (جو شہدائے سے ہیں) بعد شہادت کے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضور علیہ السلام سے.. السلام علیکم کہنا اور حضور علیہ السلام کا جواب میں وعلیکم السلام فرمانا بھی آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی ہستی تو وراء الوراء ہے۔ لنکے شہدائے اُمت قرآن کی رو سے کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ پھر خیال کا مقام ہے۔ کہ بیت المقدس کی ادائے نماز کے بعد انبیاء علیہم السلام کی کسقدر حرکت ہوئی کہ ہر آسمان پانسو برس کے راہ کی موٹائی پر ہے۔ اور زمین سے آسمان تک اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کا رستہ ہے۔ پس اس تحقیق کے مطابق ذرا سے عرصہ میں آدم علیہ السلام ایک ہزار برس کا رستہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دو ہزار برس کا رستہ علیٰ ہذا القیاس موسیٰ علیہ السلام چھ ہزار برس کا رستہ۔ اور ابراہیم علیہ السلام سات ہزار برس کا رستہ طے فرما جاتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام کیلئے جب رب العزت جلشانہٗ دعوت دینے اور سیر کرانیوالے ہوں تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے افسوس کہ ہمچو مائیوں اور متشلیوں کا گروہ حضور علیہ السلام کے جسم مطہر کو ہی نہیں سمجھ سکا۔ خاتم المحدثین علامہ زرقانی

شرح مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ بات کوئی ممتنع نہیں ہے کہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم متشکل بجسد و روح نظر آئیں کہ آپکو اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو بعد وفات انکی ارواح پھر انکو مل گئیں اور اجازت ہو گئی کہ اپنی قبور سے نکل کر عالم بالا اور عالم ماتحت میں تصرف کریں۔ اس مختصر بحث کے علاوہ بیشمار ایسے دلائل ہیں۔ جنکو اگر یہاں بیان کیا جائے تو علیحدہ کتاب تیار ہو جائے۔ یہاں پر پہلے آیتِ معراج میں جو لفظ عبد واقع ہوا ہے۔ اس کو مختصراً سمجھ لیا جائے (جسکی توضیح ہم اسی کتاب کے کسی دوسرے باب میں بھی کر آئے ہیں) اس لفظ سے باقتضاء النص ثابت ہوتا ہے کہ یہ سیر جسمانی تھی۔ کیونکہ عبد مجموعۂ روح وجسد کو کہا جاتا ہے نہ کہ اس کا اطلاق صرف روح پر صحیح ہو۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد روح مع الجسد ہی ہے بطور تفہیم چند آیات ملاحظہ ہوں۔ نزول قرآن کریم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ یعنی قرآن کریم کو نازل کیا ہم نے اوپر بندے اپنے کے۔ پس مثل اسکی کوئی سورت لے آؤ۔ کیا یہاں عبد سے مراد صرف روح ہے یا روح مع الجسد ہے۔ ایک معمولی ادراک کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کریم کا نزول محض روح پر نہیں ہوا۔ اور یہاں عبد سے روح مع الجسم ہی مراد لیا جائیگا۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ ؎ اس یت الذی ینھٰی عبدًا اذا صلّٰی ۃ کیا تو نے اسکو یعنی ابوجہل کو دیکھا ہے۔ جو بندہ کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ اس آیت سے بھی مراد روح مع الجسد ہے۔ کیونکہ ابوجہل صرف نمازی کی روح کو نماز پڑھنے سے نہیں

روکتا تھا۔

تیسری آیت میں ہے۔ وَاِنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ؕ (یعنی جب اللہ کا بندہ (محمدؐ) نماز پڑھنے کو کھڑا ہوا۔ تو قرآن سننے کو جن اُس پر ٹوٹے پڑتے تھے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے کیلئے صرف آپکی روح ہی نہیں کھڑی ہوتی تھی۔ بلکہ مع الجسد نماز پڑھا کرتے تھے۔ جنوں کا اجتماع صرف روح پر نہیں تھا۔

چوتھی آیت میں حضرتِ نوح اور حضرت لوط علیہم السلام کی بیویوں کا جہاں قرآنِ کریم نے ذکر فرمایا ہے۔ وہاں انکی نسبت حکم دیتا ہے کہ۔ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ ؕ یعنی وہ دونوں عورتیں دو نیک بندوں ہمارے کے گھر میں تھیں۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی عورت کا کسی عبد کے گھر میں ہونا۔ روح مع الجسم کو ثابت کرتا ہے۔ ورنہ کسی عورت کو کسی روح محض سے متعلق بہ علاقہ زوجیت نہیں سمجھا جاتا۔ اور نہ اسکے خلاف کوئی عملی یا علمی دلیل ہے۔ جہاں خاوند محض روح ہو اور اُسکی عورت بہ علاقہ زوجیت متعلقہ روح مع الجسم ہو۔ قرآن کریم نے جہاں کہیں لفظ عبد سے کسی ہستی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہاں روح مع الجسد ہی مراد لیا ہے۔

پانچویں۔ آیت میں ہے۔ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ؕ اس آیت میں بھی مراد روح مع الجسد ہی ہے۔ غرض اس قسم کی قرآن کریم میں بیشمار مثالیں اور بہت سی آئیتیں موجود ہیں۔ جن میں عبد سے مراد۔۔ روح مع الجسد ہے۔ پس اس سیر کو روحانی قرار دینا۔ یا انکشافی کہنا کسیطرح بھی

قرآن کریم کی منشاء کے مطابق نہیں۔ علامہ شبلی نے تمام قرآن و حدیث سے عبد کے مفہوم کو روحانی عبد بلاجسم مراد لینے میں بڑا زور لگایا ہے اور دلیل تلاش کی تو ایک آیت پیش کر سکے۔ وہ بھی جبکا ظہور خطاب اس مطلب کو پورا نہیں کرتا۔ بلکہ اسکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ نفس مطمئنہ کو خطاب ہو رہا ہے۔ اور مقبولان بارگاہ کے ساتھ ہونیکا ارشاد ہوتا ہے۔ نفس مطمئنہ کو عبد کے لفظ سے مخاطب نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ عبادی کا لفظ اس جماعت پر بولا گیا ہے۔ جو اپنے اعمال صالحہ کے باعث دنیوی زندگی میں رُوح مع الجسد رکھتے ہوئے پاکیزہ نفوس کیا تھ بارگاہ رب العزت میں ممتاز تھے۔ اور اسکے بعد نیک انجام ہونے کے باعث اہلِ جنت فرمائے گئے۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ عبادی سے مراد عباد بلاجسد ہوں۔ نفس مطمئنہ، لوامہ، ملہمہ، امارہ اور ہے۔ اور عبد اور چیز ہے نفس مطمئنہ عبد نہیں ہو سکتا۔ اسی مفہوم کے ماتحت ابن جریر نے کہا۔ کہ مراد فادخلی فی عبادی ؕ سے یہ ہے کہ اپنے جسم کیطرف لوٹ جائے۔ اس سے معلوم ہوُا۔ کہ نفس مطمئنہ اور ہے۔ اور مراد بعبادی۔ عبادِ مجسم یا اجسام عباد اور ہیں۔ ابن عباس سے بھی ایک روایت آئی ہے۔ جبکو محققین نے اسی آیت کے تحت میں یوں بیان کیا ہے کہ قیامت کے روز ارواح اپنے اجسام میں واپس کیجاوینگی اور جو ثواب جمیل ہوگا۔ اُس سے راضی و خوش ہونگے اور اپنی طہارت و عبودیت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرضیہ ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی مراد یہ ہے کہ نفس مطمئنہ کو بعثت قیامت کیوقت یہ بشارت دیجاویگی کہ اپنے جسم میں جاکر ثواب جمیل حاصل کرے۔ غرض نے

ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نفوس مطمئنہ سے قیامت کے روز کہا جاویگا کہ اے (گروہ) نفوس مطمئنہ اپنے رب یعنی ساتھی کی طرف رجوع کرو۔ اور وہ بدن ہے۔ جس میں دنیا میں رہتی تھی تاکہ تجھے ایسا ثواب ملجاوے۔ جس سے تو راضی ہو۔ اور اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہو جاوے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ کی ایک روایت میں فادخلی فی عبدی ۂ بھی آیا ہے۔ یعنی عبد وہ جسم جس میں پہلے رہتی تھی۔ یہی عکرمہ نے بیان کیا اور یہی کلبی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے اور اسی کو امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے انتقال فرمایا تو ایک خوبصورت چڑیا آکر انکی نعش میں داخل ہوئی۔ پھر وہاں سے نکلتے کسی نے اسکو نہ دیکھا پھر جب ابنِ عباس دفن کیئے گئے تو قبر کے کنارے پر کسی نے یہ آیت پڑھی۔ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الآیہ۔ اور اس آیت کا تلاوت کرنے والا کوئی نظر نہ آیا۔ بعض نے خیال کیا کہ وہی نفسِ مطمئنہ تھی۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ مطمئنہ سے عباد مراد لینا درست نہیں۔ اب اصل بحث کو لیجئے کہ نقلی روایات کا مفہوم کیا ہے۔ ہمارے محققین اہلِ سنت والجماعت کی رائے ہے کہ جن تین بزرگوں کے ارشادات معراج روحانی کے ثبوت میں پیش کیئے جاتے ہیں۔ یہ ان بزرگوں پر افتراء محض ہے۔ اکابر محدثین نے اول تو انکو نقل ہی نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جن مسائل کا اختلاف تھا۔ وہ اظہر من الشمس ہیں۔ اور اگر مسئلہ معراج میں بھی اختلاف ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ کتب احادیث میں پایا

جاتا۔ جبکہ صحابہ کرام کے مناظرہ کی دیگر اختلافات میں تفاصیل موجود ہیں۔ یہاں پر رفع شکوک کیلئے ہم اُن تینوں بزرگوں کے ارشادات کی بھی توضیح کئے دیتے ہیں۔ جنکو بطور دلائل منکرین معراج جسمانی پیش کرتے ہیں تاکہ متلاشی حق پر اصلیت کا انکشاف ہو جائے۔ الغرض نقلی روایات کی بنا پر جو لوگ معراج کو روحانی قرار دیتے ہیں۔ اور جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔ وہ اپنے دعوے کی تائید میں صحابہ سے صرف تین بزرگوں کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا حذیفہ و اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور امیر المومنین حضرت معاویہ ابن ابی سفیان اور انہی کو علامہ محمد بن جریر طبری نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ معراج کے تمام واقعات خواب تھے۔ حضور علیہ السلام کا جسدِ اطہر اپنی آرام گاہ سے جدا نہ ہوا تھا۔ صرف آپکی رُوح کو ہی سیر کرائی گئی اور اسی کے قریب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ و حضرت امیر معاویہ کے بیانات ہیں۔ مگر معترضین اپنے اعتراضات اور روایات پیش کردہ کی اصلیت پر غور نہیں کرتے کہ یہ دلائل دعویٰ میں کہاں تک تقویت رکھتے ہیں۔ ہم اُن ہی دلائل کی رُو سے یہ ثابت کر دینگے کہ معراج مبارک روحانی نہیں بلکہ جسمانی تھی۔

۱۔ ترمذی شریف میں جو حدیث آئی ہے۔ اس میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول موجود ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں براق کو بیت المقدس کے حلقہ سے باندھا تھا۔ ان کا قول غلط ہے۔ کیا براق آپکا مطیع نہ تھا۔ جو آپکو اس کے باندھنے کی ... ضرورت پڑی اسکو تو اللہ کریم نے آپکا مسخر فرما دیا تھا۔ پس حضرت حذیفہ کے اس قول سے

صاف عیاں ہے کہ ان کو جھگڑا سے تمام مسئلہ معراج میں نہیں بلکہ صرف براق کے پتھر سے باندھنے یا نہ باندھنے میں اختلاف تھا۔ شاید منکرین نے ان ہی الفاظ سے اپنے انکار کو تقویت پہنچانی چاہی ہو۔ حالانکہ یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہادی قول ہے۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا سُنا ہے۔ برخلاف اسکے کہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم معراج جسمانی کے قائل ہیں۔ اور احادیث معراج کو روایت کرتے ہیں وہ بالتصریح انکی روائیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہیں۔ نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ واقع معراج کے بعد اسلام لائے ہیں۔ تو اُنکے قول سے سابق الاسلام صحابہ کرام کی احادیث کا معارضہ کیونکر ہو سکتا ہے جو معراج جسمانی کے قائل ہیں۔

عـ۲ واقعہ معراج ہجرت سے پہلے کا ہے۔ اور اسوقت مسلمانوں کی اسقدر کثرت نہ تھی۔ بلکہ تھوڑی تعداد میں موجود تھے۔ خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسوقت ایمان نہیں لائے تھے۔ جنکا قول منکرین معراج جسمانی اپنے دلائل میں پیش کرتے ہیں۔ اُنکا اسلام لانا بعد ہجرت مدینہ منورہ میں ہوا۔ اور معراجِ جسمانی قبلِ ہجرت ایک سال مکہ میں ہو چکی تھی۔ اُنکی وہ روایت جو ابن جریر نے تفسیر اسراء سیرت ابنِ اسحاق ذکر معراج میں لکھی ہے۔ اور جسکی بناء پر حضور کی معراج کو روحانی یا رویائے صادقہ کہا جاتا ہے۔ مع سند کے حسب ذیل ہے۔

عن محمدؐ بن اسحاق قال حدثنی یعقوب بن عتبہ بن المغیرۃ ان معاویۃ

بن ابی سفیان کان اذا سئل عن مسریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کانت رؤیا من اللہ صادقۃ۔

ترجمہ:۔ محمدؐ ابن اسحاق سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان سے جب معراج کا واقعہ پوچھا جاتا۔ تو وہ کہتے کہ یہ خدا کیطرف سے ایک سچا خواب تھا۔

حالانکہ یہ روایت محدثین کے نزدیک متفقہ طور پر منقطع ہے۔ کیونکہ یعقوب نے حضرت معاویہ سے خود نہیں سُنا ہے۔ اور نہ ہی اُنہوں نے حضرت معاویہ کا زمانہ پایا ہے۔ کیا ایسی روائیتں معراج جسمانی کی تردید میں لاکر معراج روحانی ثابت کرنا۔ اور رویائے صادقہ کا قائل ہونا ایک محقق کی شان کے شایاں ہے۔

ع۳۔ روایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بعض محققین نے تو سرے سے انکار ہی کیا ہے کہ یہ قابلِ قبول نہیں اور جنہوں نے روایت معراج کو حضرت صدیقہ سے لیا بھی ہے۔ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ آپ معراج جسمانی کی قائل تھیں۔ اور بعض نے لکھا کہ وہ حدیث اس معراج جسمانی کے متعلق نہیں بلکہ اُسی معراج کے متعلق ہے جو عالمِ رویا میں حضور علیہ السلام کو مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ جیسا کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، سے منقول ہے۔ بغوی نے روایت کی ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، اور حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہوا کہ جس رات مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔

اسکی صبح کو میں مکہ میں تھا۔ مجھے اس خیال سے کہ لوگ جھٹلائینگے۔ سخت رنج تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ غمگین ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ ابوجہل آپکے پاس سے گذرا اور آپکے پاس بیٹھ گیا۔ اور مسخری سے پوچھنے لگا فرمایئے کوئی نئی بات آپ نے حاصل کی یا نہیں آپنے فرمایا ہاں کی ہے۔ آج کی رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔ اُس نے کہا کہاں تک۔ آپنے فرمایا۔ بیت المقدس تک۔ اُس نے کہا پھر صبح بھی آپنے ہمارے درمیان کی آپنے فرمایا ہاں۔ اُس نے کہا۔ کہ جو کچھ آپنے مجھ سے بیان کیا ہے، کیا آپ اپنی قوم سے بھی بیان کرینگے۔ آپنے فرمایا ہاں کرونگا وہ بلند آواز سے بولا اے بنی کعب بن لوئی یہاں آؤ۔ یہ سنتے ہی تمام لوگ اس پر جمع ہو گئے۔

ابوجہل نے آپسے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ جو کچھ آپنے مجھ سے بیان فرمایا ہے۔ ان پر بھی واضح فرمائیے۔ چنانچہ آپنے فرمایا مجھے آج شب سیر کرائی گئی ہے۔ انہوں نے پوچھا۔ کہاں تک۔ آپنے فرمایا۔ بیت المقدس تک۔ وہ کہنے لگے تو پھر صبح آپنے ہم میں کی ہے۔ آپنے فرمایا۔ ہاں۔ تو لوگ سُنکر تالیاں بجانے لگے۔ اور بعض نے تعجب سے اپنے ہاتھ سر پر رکھ لئے اور بعض ان لوگوں سے جو آپ پر ایمان لا چکے تھے پھر گئے۔ ابوجہل یا کوئی دوسرا شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیطرف دوڑا گیا اور اور کہا کہ کچھ تو نے اپنے دوست کی بھی سُنی وہ کہتا ہے۔ آجکی رات مجھے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے۔ کیا واقعی آپنے

فرمایا ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ نے فرمایا ہے۔ تو آپ سچ فرماتے ہیں۔ ابوجہل نے کہا۔ کیا تو ایسی خارج العقل بات کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ میں اس سے بھی زیادہ خارج العقل بات کی تصدیق کرتا ہوں۔ کہ آپ کو بیت المقدس سے آگے آسمانی سیر بھی ہوئی ہے۔ اس حدیث سے تین باتوں کی وضاحت ہوئی ہے اول یہ کہ معراج کے متعلق حضرت عائشہ اور جمہور کے اقوال میں کوئی اختلاف نہیں دوسرے یہ کہ ابوجہل اور دیگر قریش نے واقعہ معراج پر یہ استبعاد ظاہر کیا کہ رات کو بیت المقدس جانا اور صبح مکہ میں کرنا۔ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے تیسرے یہ کہ واقعہ معراج کو سُنکر بعض کمزور ایمان مسلمان مرتد ہو گئے تھے اور یہ سب باتیں اسی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ جب کہ آپکا دعویٰ معراج جسمانی کا ہو۔ خواب میں مکہ سے بیت المقدس جانا اور صبح مکہ میں موجود ہونا نبی تو نبی رہے کسی کافر کیلئے بھی ناممکن نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کوئی عقلمند خواب سن کر اسلام کو چھوڑ سکتا تھا۔ اور نہ کفار کو کسی ایسی خواب کی تکذیب میں ہاتھ پاؤں مارنے کی ضرورت ہوسکتی تھی۔ بعض لوگوں کو معراج جسمانی میں جس حدیث حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا سے دھوکا ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمۃ عن محمد قال حدثنی بعض آل ابی بکر ان عائشۃ کانت تقول مافقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اسریٰ بروحہ اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ وعن معاویۃ مثلہ۔

ترجمہ :- ابنِ حمید نے ہم سے بیان کیا۔ اُن سے سلمہ نے۔ سلمہ سے محمدؐ بن اسحٰق نے انہوں نے کہا کہ حضرت ابُوبکرؓ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک گم نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ نے روح مبارک کے ساتھ عروج فرمایا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی کی مانند روائت فرماتے ہیں۔ اس روایت سے بھی معراج جسمانی کا اختلاف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس روایت کے سلسلہ میں محمدؐ بن اسحٰق اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی نامعلوم الاسم راوی ہے یعنی خاندان ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص جس کا نام ونشان ہی مذکور نہیں۔ اسلئے یہ بھی پایۂ صحت سے فروتر ہے۔ نیز اس کا جواب اور بھی کئی طرح پر ہے۔ مثلاً مشکوٰۃ شریف جلد ثانی باب الولی فصل اول میں ایک حدیث آئی ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقد سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سال کی عمر میں (معراج جسدی سے دو برس قبل) در ایام ماہ شوال مکہ معظمہ میں ہُوا۔ اور جب آپکی عمر مبارک نو برس تک پہنچی تو رخصتی ہوئی۔ یعنی نکاح کے دو برس بعد آپ رخصت ہو کر حضرت کے حرم سرائے میں تشریف لائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مہینہ میں آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کر حضور کے ہاں آئیں۔ وہی مہینہ معراج کا تھا۔ چونکہ تاریخ آمد حرم سرائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپکی صحیح مذکور نہیں۔ اسلئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ معراج سے کتنے دن قبل یا بعد تشریف لائیں۔ ہاں قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ

کہ آپ بعد معراج تشریف لائیں۔ کیونکہ اگر آپ معراج سے پہلے تشریف لے آئی ہوتیں تو حضور معراج کی شب مکان اُم ہانی میں استراحت نہ فرماتے جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے۔ اور اگر آپ بعد میں تشریف لائی ہیں تو پھر معراج جسمانی کے انکار میں آپ کا کوئی ارشاد پیش کرنا یا کسی ایسے ارشاد کو آپ کی جانب منسوب ہی کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے ہاں اگر حضور علیہ السلام سے نقل فرمایا ہوتا۔ تو حجت ہوسکتا تھا۔

یہ تو تھے اعتراضات نقلی جو اختلاف روایات کی بنا پر بعض اہلِ علم پیش کیا کرتے ہیں۔ الحمدللہ کہ انکے جوابات شافی عرض کر دیئے گئے۔ اب اُن فرسودہ دماغوں کی تحقیق کو لیجیے۔ جو فلسفی تاریکیوں میں گھرے ہوئے حقیقت بینی سے محروم ہیں۔ سعدی علیہ الرحمتہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

چونکہ اُن لوگوں کی عقلِ نارسا اس حد تک پہنچنے میں کوتاہی کرتی ہے اس لئے وہ ایسے حقائق و دقائق غامضہ سے انکار ہی کر بیٹھتے ہیں۔ جنکی دید کسی ایمانی عینک کی محتاج ہُوا کرتی ہے۔ مولا کریم اُنکو بھی توفیق رفیق فرمائے کہ وہ اس حکمت الہیہ کو سمجھ سکیں۔ اور اُنکی عقلیں مشعل ایمان سے اسرار و مدارج نبوت میں راہ حقیقت پالیں۔ فقیر ایسے لوگوں کی تفہیم کے لئے یہاں چند عام فہم مثالیں پیش کرتا ہے۔ مولا کریم اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں حق بات کے ثابت کرنیکو مجھے کامیابی عطا فرمائے۔ اور میرا

ممد و معاون ہو۔

عـ۱ـ کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج شریف خلافِ عقل ہے۔ اور جسم کثیف کا صعود الی السماء محال ہے۔ جیسے مٹی کا ڈھیلا اوپر پھینکا جائے تو وہ اپنی اصل کثیف ہونے کے باعث زمین ہی کی جانب واپس آجاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو صاحبِ عقل و ہوش کو یہی دلیل جو معراج شریف جسمانی کی تردید میں پیش کی گئی ہے۔ معراج شریف جسمانی کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ اسلئے کہ جو مٹی کا ڈھیلا پھینکا جاتا ہے۔ وہ اوپر کیطرف جاتا تو ضرور ہے۔ اور کبھی یہ نہیں ہوا کہ اوپر پھینکنے پر ڈھیلا کشش ثقل کے باعث ہاتھ سے نکلتے ہی زمین پر گر جائے بلکہ بے روک ٹوک اوپر کو چلا جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ اوپر جا کر فوراً واپس آتا ہے۔ بہت دیر ٹھہرتا نہیں۔ تو ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ اگر حضور کے جسم اطہر کو چند منٹوں کے لئے معترض کے خیال پر کثیف ہی مان لیا جائے (حالانکہ وہ ہماری جانوں سے بھی زیادہ لطیف ہے) تو حضور وہاں کب ٹھہر کر رہ گئے۔ آپ تو اسقدر جلدی اتنا طویل سفر کر کے واپس تشریف لائے کہ زنجیرِ درِ حجرہ حرکت میں تھی اور بستر استراحت گرم تھا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
ایک دم میں سرِ عرش گئے آئے محمدؐ

اب رہا ڈھیلے کا زیادہ بلند ہونا یا کم بلندی سے لوٹ آنا تو یہ پھینکنے والے کی طاقت پر منحصر ہے۔ مثلاً اگر آٹھ سال کا کم سن بچہ اس ڈھیلے کو بلندی

پر پھینکے۔ تو بنسبت ایک نوجوان تنومند آدمی کے کم بلندی پر جائیگا۔ کیونکہ ایک جوان آدمی کے مقابلہ میں ایک آٹھ سالہ بچہ کم طاقت رکھتا ہے۔ یہی ڈھیلا اگر غلیل سے پھینکا جائے۔ ہاتھ سے پھینکنے کے مقابلہ میں زیادہ عروج پائیگا اسی کے مقابلہ میں ایک شخص نے بندوق سے گولی چلائی اور دوسرے نے توپ کا دہانہ آسمان کو کر کے گولہ پھینکا۔ تو ڈھیلے سے زیادہ بندوق کی گولی اور گولی سے توپ کا گولہ بہت آگے نکل جائیگا۔ اسلئے کہ غلیل سے بندوق اور بندوق سے توپ کی طاقت زیادہ ہے۔ اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر قوی سے زیادہ طاقت رکھنے والا ہے اور تمام طاقتوں کا مالک ہے۔ پھر وہ حضور علیہ السلام کو اتنی بلندی پر پہنچانا چاہے کہ عرشِ اعظم قدمبوسی کرے تو آپ کے ہی استدلال پیش کردہ کیطرح کب محال ہوسکتا ہے۔ اور جو کوئی اُسکی شان میں بھی اُن محالات کو دخل دے پھر اسکو ایماندار کیونکر کہیں۔ العیاذُ باللہ۔

عـ۲ کہا جاتا ہے کہ جسمِ عنصری کا قلیل وقت میں بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ پہنچنا۔ آسمانوں پر اور آسمانوں سے آگے عرش تک جانا۔ باوجود جسمِ عنصری کے روحانیات محضہ سے ملنا، جنت و دوزخ کا دیکھنا عقلاً ممنوع ہے اور حکمانے اسکے محال ہونے پر اور آسمانوں کے خرق والتیام کے محال ہونے پر دلائل قائم کیئے ہیں۔ اور اہلِ ادیان حقہ سے عیسائی یہودی کوئی اِس کا قائل نہیں۔

اس قولِ معترض کا جواب یہ ہے کہ ایسے جسمِ عنصری کا جسکی عنصریت اپنی

لطافت کے لحاظ سے روحانیت سے بھی بڑھکر ہو۔ ایسی حرکتِ سریع کرنا محالات سے نہیں۔ ایک عالم کا تجربہ شاہد ہے کہ ریل اور تار برقی کی حرکت اسی نوعیت سے ہے۔ جسکو کبھی بھی محال نہیں سمجھا گیا۔ اور اسی طرح آسمانوں کا غرق والتیام جن خیالات فاسدہ سے محال ثابت کیا جاتا ہے۔ اُنکی حکماء اسلام نے اپنی تحقیق میں پوری قلعی کھولدی ہے اور یہ امر واضح ترکردیا ہے کہ حکماء یونان نے محض اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے زمین وآسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ مسائل طبعیات وہیئت میں کوئی ٹھوس بات پیش نہیں کرسکے انجیل و بائبل کو ماننے والے پکے عیسائی آسمانوں کے خرق والتیام کو محالات سے نہیں مانتے۔ ہاں اگر کوئی ملحد عیسائی تسلیم نہ کرے۔ تو یہ اسکی ہٹ دھرمی اور کج فہمی ہے۔ دیکھئے انجیل مرقس کے سولھویں باب انیسویں درس میں ہے کہ مسیح خداوند لوگوں سے کلام کرنیکے بعد آسمان پر چڑھ گیا۔ اور خدا تعالیٰ کے داہنے ہاتھ پر جا بیٹھا۔ یعنی حضرت عیسیٰ آسمان پر چلے گئے۔ اسی طرح دوسری کتاب السلاطین کے دوسرے باب میں مذکور ہے کہ ایلیا یعنی حضرت الیاس علیہ السلام اور الیسع باتیں کرتے جاتے تھے کہ ایک آگ کی گاڑی اور آگ کے گھوڑے نمودار ہوئے۔ اس میں چڑھ کر ایلیا آسمان پر چلا گیا۔ اور اسیطرح ایک شخص قیس ولیم اسمٹ اپنی کتاب طریق الاولیا میں حضرت اخنوخ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا بیان کرتا ہے۔ اہل اسلام تو قاطبۃً اس پر متفق ہیں کہ ۔ مثلاً جرم آفتاب جو ایکسو چھیاسٹھ کرہ ارضی کے برابر ہے۔ ایک لمحہ میں کئی ہزار سالہ راہ طے کرتا ہے۔ اور اسکی سرعت وحرکت کو عند العقل بعید

نہیں سمجھا جاتا تو سرعت رفتار آفتاب فلکِ رسالت جس سے بیشمار جواہر مجردہ ملکی استفادہ حاصل کرتے ہیں کو کیوں تعجب سے دیکھا جاتا ہے۔

ب۔ آفتابی شعاعیں اور کرنیں اور ضوء قمری موٹے شفاف شیشہ سے دوسری طرف نکل جاتی ہیں جو ایک قسم کا وجود رکھتی ہیں۔ اور اس تیزی سے نفوذ کرتی ہیں کہ عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ یعنی فی گھنٹہ بہتر کروڑ میل حرکت کر جاتی ہیں۔ پس ایسے ہی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ سراپا نور جسم جو شعاع آفتابی سے کئی ہزار گنا زیادہ حرکت و نفوذ رکھتا ہے۔ صاف و شفاف آسمانوں سے گذر جائے تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔

ج۔ ابلیس لعین کہ بدترین خلق ہے۔ لمحہ بھر میں مشرق و مغرب کی سیر کرے پھر اُسکا ہر شرارت کے ساتھ الحاق بھی مان لیا جائے۔ اور ایسے راندۂ درگاہ سے یہ سُرعت ظہور میں آئے۔ تو اس بہترین کائنات سے آن کی آن میں زمین سے عرش تک طے کرنے میں کس شبہ کو گنجائش ہو سکتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آج معترض جیسے کثیف تر انسان خود تو مریخ و قمر میں کودنے کی تیاریاں کر رہے ہے۔ اور نبوت کے لطیف تر اور نوری جسم مطہر کو معذور جانتے ہیں۔

د۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چرخِ چہارم پر قیام اور حضرت ادریس علیہ السلام کا سیر سماوات کر کے بہشت میں داخل ہونا جسم اور روح سمیت نص قطعی سے ثابت ہو۔ پھر سید الانبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ بمراتب ان سے رفیع الشان ہیں۔ کیا مانع ہو سکتا ہے کہ آسمان پر تشریف لیجانا اور لے آنا

محالات سے تصوّر کیا جائے۔

ہ۔ چوبِ ترکہ بواسطہ رطوبت ذاتی ثقل رکھتی ہے۔ باز کے پاؤں میں باندھ دیتے ہیں کہ اسکی گرانی سے پرواز نہ کرسکے اور باز رہے۔ لیکن اگر وہ لکڑی گرمئِ آفتاب سے خشک ہوجائے۔ اور ثقل کہ لازمہ رطوبت ہے۔ اس سے زائل ہوتو پھر باز کا پرواز کرنا ممکن مانا جاتا ہے۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ شہبازِ اقتضائے انا من نور اللہ کے تھے اور آشیانہ وما ارسلنٰک الا رحمۃ اللعٰلمین۔ میں نزول فرمایا تھا۔ انما انا بشر مثلکم کی چوبِ گران قدمِ کرم میں رکھی گئی۔ تاکہ اس ثقلِ بشریت کے باعث امتِ گنہگار میں قرار فرمائیں۔ پھر جو تابشِ آفتابِ عنایتِ الٰہی سے اس وجود کا ثقلِ بشریت دور ہونے سے جسم و روح سمیت فوق العرش پرواز کریں کیا عجب ہے۔

و۔ تجربہ شاہد ہے کہ تماشہ کرنیوالے بیضۂ مرغ میں سوزن سے سوراخ کرکے بیضہ کی تمام آلائش اندرونی نکال کر شبنم بھر دیتے ہیں اور سوراخ کو موم سے بند کرکے دھوپ میں رکھتے ہیں۔ آفتاب کی تاب سے شبنم گرم ہوکر رکابِ ہوا پر قدم دھرتی ہوئی قصدِ عالمِ بالا کرتی ہے۔ اور بیضۂ مرغ ہوا میں اڑنے لگتا ہے۔ پھر کیا یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ وجود باجود نورِ خدا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریح الم نشرح لک صدرک کے بعد طبائع بشریت اور اخلاطِ جسمیت کثیف سے پاک ہوکر اعانتِ کشاکشِ سبحان الذی اسریٰ سے پرواز کرے تو غیر ممکن کسطرح ہوسکتا ہے۔

ز۔ پارہ ہی کو لیجئے۔ ادھر پٹرول پر ہی غور کیجئے۔ جنکی اصل زمینِ کثیف سے

ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں کثیف ہی ہوئیں۔ کیونکہ جسکی اصل کثیف ہوگی وہ چیز بھی کثیف ہی ہوگی۔ لطیف نہیں ہو سکتی۔ مگر پارہ اور پٹرول کو دیکھو۔ جب ذراسی گرمی پہنچی۔ فوراً آسمان کو اُڑ گئے۔ تو جاننا چاہیئے کہ کثیف لطیف کیطرف کیونکر گیا۔ جو حضور علیہ السلام مع الجسد آسمان پر نہیں جا سکتے۔

ح۔ شریعت کا قاعدہ ہے کہ دو چیزیں جو غالب و مغلوب باہم ملی ہوں۔ حکم غلبہ کے باعث غالب کے ہوتا ہے۔ مثلاً دودھ اور پانی ملا کر کسی بچے کو پلائیں۔ اگر دودھ غالب ہو تو حکم رضاع ثابت ہے۔ ورنہ نہیں۔ ایسے ہی اگر آبِ دہن خون آلود نکلے تو حکم غالب پر ہے۔ اگر خون غالب ہے تو ناقضِ وضو ہے۔ وگرنہ وضو رہیگا۔ یہی صورت نقودمیں ہوگی۔ اگر نقرہ غالب ہے حکم جید کا دیا جائیگا۔ اگر غش یعنی کھوٹ غالب ہے۔ حکم کھوٹے کا ہوگا۔ اس نہج کے بیشمار مسائل شریعت میں پائے جاتے ہیں تو اسی پر قیاس کیجئے کہ جب روحِ پُرفتوح محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جسد پر غالب ہوئی تو جسدِ اطہر حکم روح کا پیدا فرما کر فضائے عالم ملکوت پر پرواز کناں ہوا۔ پھر کیا جائے تعجب ہے۔

ط۔ عصر حاضر میں سینکڑوں ہوائی جہاز باوجود کثیف الاصل ہونیکے پرواز میں ایک دوسرے پر ترقی کرتے ہیں۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ خود ہی پرواز نہیں کرتے بلکہ بہت سے انسان جو اپنے اندر کثافت کثیرہ رکھتے ہیں۔ ان میں بھرے ہوتے ہیں۔ جب اللہ کی مخلوق کی یہ صنعت و طاقت ہے اور ایسی اشیاء کا باوجود کثیف در کثیف ہونیکے لطیف کی جانب عروج کرنا ناممکن نہیں تو پھر نورِ مجسم جو الطف من الطف ہو۔ براق پر چشم زدن میں سیر افلاک کرے کیونکر

قابلِ انکار ہو سکتا ہے۔

ی۔ ایک روائیت صحاح میں ہے کہ بندے کے بدن سے جب روح نکلتی ہے۔ تو بعض ارواح طرفتہ العین میں آسمانوں کو طے کرکے ساقِ عرش پر قندیل میں متمکن ہو جاتی ہیں۔ تو جسم لطیف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جسکو کثیف کہنا بھی گناہِ عظیم ہے۔ اور لکھو کھا درجے روح سے پاک ہے۔ اگر لمحہ بھر میں مسافت کون ومکان طے کرکے بالائے عرشِ مجید پہنچے کیا بعید ہے۔

س۔ منکرین کوتاہ نظر ذرا اپنے ہی نورِ باصرہ پر دھیان کریں۔ کہ آنکھ کھلتے ہی احساسِ سیاراتِ فلک کرنے لگتا ہے۔ پھر جسمِ مطہر محمّدی جو انکی نگاہ سے ہزارہا درجات لطیف ترین ہے۔ قطع مسافت زمین وآسمان فرمائے۔ تو اسکے محال ہونیکی کیا وجہ ہے۔

عــ۳ حدیثوں میں آتا ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر معترضانہ صورت سے بیت المقدس کی حقیقت کا سوال کیا۔ اور آپ تبلاتے رہے پھر جب بذاتہٖ مسجدِ اقصیٰ کا مسئلہ پیش ہوا۔ تو آپ تامل میں پڑ گئے۔ تو جبرائیل نے بیت المقدس کو آپکے سامنے لاکر حاضر کر دیا۔ یا بقول دیگر حجابات اُٹھکر نظر آ گئی۔ اول تو بیت المقدس جو خاص ہیکل سلیمانی تھی کو بخت نصر کے حادثے میں گرا دیا گیا۔ اور پھر جو اسکی تعمیر ہوئی۔ تو اسکو انٹاکیہ کے بادشاہ انٹیوکس نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پیشتر ہی گرا دیا تھا۔ اسکے بعد جو تعمیر ہوئی وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک تمام نہیں ہوئی تھی۔ جسکی سرپرستی ہیرودوس حاکم شام کرتا تھا۔ جو قیاصرہ روم کا گورنر تھا۔ اسکو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کے

موافق حضرت مسیح کے صعود سے تخمیناً چالیس برس بعد روم کے قیصر طیطوس نے بیخ و بُن سے گرا دیا تھا۔ اور اس پر ہل چلوا دیئے تھے۔ پھر جب کسی نے اسکی تعمیر کا قصد کیا تو نہ کر سکا۔ اسکی بنیادوں سے مدتوں تک آگ کے شعلے نکلتے رہے۔ جو یہودیر مسیح کیسا تھ بدسلوکی کرنے سے قہر الٰہی تھا۔ آخر وہ تعمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے عہد تک خراب پڑی رہی۔ وہاں کوڑا کرکٹ پڑا رہتا تھا۔ پھر اسکو حضرت عمرؓ نے تعمیر کیا۔ یہ بات عیسائیوں اور محمدیوں کی تاریخ میں بالاتفاق مانی گئی ہے۔ پس آپنے نماز وہاں کیونکر پڑھی۔ اسکے نشانات لوگوں کے سوال کے موافق کیونکر بیان فرمائے۔ اور اس عہد سے پیشتر صدہا سال سے ہی اسکو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسکے نشانات کیونکر پوچھ سکتے تھے۔ دوم جو کچھ بھی ہو۔ پھر اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو مکہ میں حاضر ہونیکے کیا معنی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام ایسی غلط باتوں اور توہّمات پر مبنی ہے۔

معترض کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ مسجد اس جگہ کا نام ہے۔ جو عمارات کے گر جانے یا بدل جانے سے نہیں بدلتی۔ اور وہ اپنی حیثیت میں زمین سے عرشِ اعظم تک مسجد ہوتی ہے۔ بیت المقدس یعنی وہ خاص ہیکل جسکو معترض نے پیش کیا ہے گو منہدم ہو چکی تھی۔ مگر اُسکے آس پاس عیسائیوں نے مکانات تعمیر کر رکھے تھے۔ جنکو خود عیسائی اور عام لوگ ہیکل اور بیت المقدس ہی کہتے تھے۔ جنکو قریشِ مکہ نے جب کہ وہ اس ملک اور شہر میں تجارت کیلئے آتے جاتے تھے۔ بارہا دیکھا تھا۔ انہیں کی نسبت وقت

معراج میں جو ہیکل کی موجودہ حالت تھی۔ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ اور اسی موجودہ حالت کو حضور نے بیان فرما کر مطابق سوال واقف فرما دیا۔ رہا اسکا (ہیکل) کا مکہ میں آپکے سامنے موجود ہونا جسے دیکھ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو جواب فرماتے اور نشانیاں بتلاتے تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ان مکانات کو اُٹھا کر ملائکہ مکہ میں لے آئے تھے۔ بلکہ آپ پر انکشافِ روحانی ہُوا اور تمام عمارت آنکھوں کے سامنے آگئی۔ سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تو مؤید بالہام تھے یمعمولی لوگوں کے سامنے غائب چیزوں کا پورا پورا نقشہ تصور میں کھنچ جاتا ہے اور وہ چیزیں اس عالم میں آنکھوں کے سامنے آکھڑی ہوتی ہیں۔ ہیکل یا بیت المقدس کی مختصر سی بحث ہم نے ایک علیحدہ باب میں درج کر دی ہے۔ جو قارئین کی دلچسپی کا باعث ہو گی۔ اور معلوم ہو جائیگا۔ کہ حضور پر جوابات کیلئے کس ہیکل کا اور کیسا نقشہ سامنے آیا تھا اور کفار نے اسکی کیونکر تصدیق کی۔ ایسے واہی تباہی شبہات کو پیش کرنا اہلِ عقل کا شیوہ نہیں۔

۴۔ کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان دو کُرّے ایسے ناقابل عبور ہیں۔ جن میں سے کسی کا گذر محال ہی نہیں بلکہ بالکل ناممکن ہے۔ انکو کرۂ زمہریر اور کرۂ نار کہتے ہیں۔ پہلا اسقدر سرد ہے کہ اس میں سے گذرنے والا سردی سے متاثر ہو کر مانند برف کے ہو جائے۔ اور دوسرا اسقدر گرم ہے کہ اسمیں داخل ہونیوالے کیلئے بغیر خاکستر ہوئے بچنا محالات سے ہے پس ان دونوں کُرّوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم شریف کیونکر گذر گئے۔

ہم جواب میں معترض سے عرض کرتے ہیں کہ تیزئی رفتار و حرکت کی کوئی حد معیّن نہیں ہے۔ جو چیز آپ جلتی آگ میں پھینکینگے۔ خواہ وہ روئی کا گالا ہی کیوں نہ ہو۔ جس زور سے پھینکی جائیگی۔ اتنی ہی وہ بے ضرر آگ سے عبُور کر کے پار جا نکلے گی۔ یہی حال طبقۂ برودت کا ہوگا۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اس سرعت اور تیزی سے ان کرّوں سے نکال لے گیا کہ آپکے جسم اطہر پر کرّۂ نار کی گرمی اور کرّۂ زمہریر کی سردی کا کوئی مطلق اثر نہ ہُوا۔ یہاں معترض کو اس امر پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ کرّۂ نار و کرّۂ زمہریر سے گذرنا معترض کیلئے یوں مشکل ہے کہ وہ مامور من اللہ نہیں۔ حضور مشیتِ ایزدی کے ماتحت اُٹھائے جاتے ہیں اور راستہ کے تمام کرہ جات جنکو معترض بھی نہیں جانتا یا بعض کو جانتا ہے سب خدا کے حکم میں مسخر ہیں۔ جیسے آتش نمرود سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلاسکی حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ آگ میں جلانے اور پانی میں پیاس بجھانے کی بظاہر قوت ضرور موجود ہے۔ مگر یہ سب قوتیں خدا کی قوت کے ماتحت ہیں اگر خدا چاہے تو آگ کی ذراسی چنگاری اور اسکا چھوٹا سا شعلہ بہت کچھ جلادے۔ ورنہ آگ کا بہت بڑا آتشکدہ بھی ایک مکھی کا پر نہیں جلاسکتا۔ اسی طرح پانی میں پیاس بجھانے کی قوت موجود ہے۔ مگر خدا کی مرضی کے خلاف مریضِ استسقا کی پیاس کسی قسم کا پانی بھی نہیں بجھاسکتا۔ تو قدرتِ خدا کا اقرار کرنیکے بعد یہ ایک لایعنی بات اور بے محل قیاس آرائی ہے۔ کیونکہ جس خدائے قادر نے اشیاء میں کوئی خواص رکھے ہیں۔ وہ انکو سلب بھی کرسکتا ہے۔ پھر پرستارانِ عقل کے پاس کونسی قطعی دلیل ہے کہ آگ ہر شے کو جلا ہی دیا کرتی ہے۔ اور اس کی حرارت

اس سے کبھی منفک نہیں ہو سکتی ۔ حدیث شریف میں حضرت انسؓ کے دسترخوان کو آگ میں ڈالنے اور تنور میں نہ جلنے کا قصہ بالاتفاق ذکر ہوا ہے اور بڑی وضاحت سے ہوا ہے۔ اسکو آگ نے کیوں نہ جلایا۔ گیس کے ہنڈے میں آگ کا ہونا اور پھر اسکی بتی کو نہ جلانا سمندر کیڑے کا آگ میں زندہ رہنا اور غذا پانا یہ تمام باتیں ہم اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس پر بھی تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک عامل کسی کی بھٹی یا تنور یا چولھے کی آگ کو باندھ سکتا ہے۔ اور وہ اپنا کام نہیں کرتی ۔ لیکن معترض خدا کو بھی (نعوذ باللہ من ذالک) مجبور و معذور پاتا ہے۔ چھاؤنی بریلی میں ایک مرتبہ جلسہ معراج النبی صلعم پر ایک ہندو پنڈت جنکو اسلام پر بیجا مُنہ کھولنے کی عادت تھی۔ آگئے اور دورانِ تقریر میں بول اُٹھے کہ اسلام کی چند باتوں کے سوا باقی محض خوش عقیدتی پر مبنی ہیں۔ جنمیں سے ایک مسئلہ معراج بھی ہے جو سراسر خلافِ عقل ہے۔ ایسی باتیں مذہب کی صداقت پر ایک دھبّہ ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ اُن سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنی کتب میں ایسی باتوں کو دیکھ کر کیوں تعجب نہیں کرتے تو کہنے لگے کہ ہماری کتب میں ایسی خلافِ عقل و فہم کوئی بات نہیں ۔ فقیر نے کہا کہ رامائن کو دیکھئے ۔ جسمیں ہنومان کا چھلانگ مار کر اور ایک بہت بڑا سمندر پھاند کر لنکا پہنچ جانا لکھا ہے کیا یہ مطابق عقل و فہم ہے ۔ پھر اُسی ہنومان کا سرسا دیوی کے مُنہ میں گرفتار ہونا اور یہاں تک موٹا ہوتے جانا کہ سرسا دیوی کا مُنہ چار سو کوس کے برابر کھُل جائے اور پھر سمٹ کر مچھّر بنجانا اور خلاصی پانا کہاں کی عقلی دلیل ہے تو ہچکچا کر مبہوت ہو گئے۔ اور بڑی شرمندگی سے بولے کہ یہ تو بزرگوں کی باتیں ہیں ۔ میں نے کہا کہ تم ابھی تک اس بات سے واقف ہی نہیں کہ مسئلہ معراج بھی کسی بزرگ سے تعلق رکھتا ہے یا کسی غیر بزرگ کی اختراع ہے ۔

عـ۵ کہا جاتا ہے کہ اگر واقعِ معراج سرکارِ دو جہاں محمد رسول اللہ صلعم بیداری کا واقعہ ہوتا۔ تو قرآنِ کریم اسکو لفظِ لیل کی قید سے مقیّد نہ فرماتا چونکہ آپکے معراج میں سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً آیا ہے لہذا معلوم ہوتا ہے کہ رات کا تذکرہ اسکے خواب کا واقعہ ہونے پر دال ہے۔

معترض کو معلوم ہونا چاہیئے کہ واقعہ معراج چونکہ رات کو پیش آیا تھا۔ اس لئے لفظِ لیل کیسا تھ اسکے وقت کا ذکر کیا گیا۔ اگر دن کو ہوتا تو دن کا مذکور ہوتا۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ جہاں کسی فعل کا پورے ہونے میں لیل کا لفظ آئے وہ واقعہ خواب ہی کا ہوتا ہے اور اسکو بیداری کے معنوں میں لے آنا کوئی علمی لغزش ہوتی ہے۔ اس مقام پر لیلاً کا لفظ نکرہ واقع ہوا ہے کہ اس سے تقلیل کا فائدہ پہنچے جس سے مراد پوری رات نہیں بلکہ رات کا بعض حصّہ ہے تاکہ کوئی اسکو ساری رات کی سیر نہ سمجھ لے اور اس لیل کے لفظ سے یہ امر بھی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ اسقدر طویل سفر اور لمبی سیر کسی بڑے عرصے میں نہیں ہوئی بلکہ اسکی مدت قلیل ایک رات یا رات کا بعض حصّہ ہے۔ جس سے قادر و قیوم کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے یہ نظریہ قائم کر لینا سراسر غلطی ہے کہ واقعہ معراج خواب تھا۔ کیونکہ قرآن کریم میں کئی ایسے واقعات متعدد مقامات پر ذکر کئے گئے ہیں جنکی لفظ لیل سے تعیین کیگئی ہے اور وہ واقعات خواب کے نہیں مثلاً ارشاد ہے کہ فاسر بعبادی لیلاً انکم متبعون ؕ ترجمہ:۔ پس میرے بندوں کو رات تو رات لیکر چل۔ تحقیق تم پیچھا کئے جاؤ گے۔ یہ آیت جس واقعہ کو بیان فرماتی ہے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو فرعون کے شہر سے نکالنے اور لیجانیکا واقعہ ہے جو عالمِ بیداری میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ دوسری آیت میں ہے فاسر باھلک بقطع من الیل۔ یعنی لے

نکل اہل اپنے کو رات میں۔ یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ قوم لوط کا واقعہ رات کو چل نکلنے کا ہوا۔ جسکے نکل جانیکے بعد اُنکے اہلِ دِہ کو عذاب کیا گیا۔ تو یہ خواب تھا کہ لیل کا مذکور ہونے سے بیداری کا انکار کرادے۔

۶۔ کہا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لیگئے تھے تو کئی سالونکی مدت کا اندازہ قیام فرمایا تھا۔ پھر اتنی دیر آپکا بستر کس طرح گرم رہا۔ اور زنجیرِ درِ حجرہ کیونکر متحرک رہی۔

معترض صاحب اگر آج سے کوئی سَو سال قبل پیدا ہوتے اور اعتراض کرتے تو ممکن تھا کہ اِس اعتراض کا جواب عملی رنگ میں انکی سمجھ میں نہ آسکتا۔ کیونکہ کوئی مثالی چیز پیش کرنیکو شاید نہ ملتی۔ آج تو ایجادات نے انسانکو اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ ایسے اعتراضات زبان پر لانا بھی عقل وفہم کی توہین ہے۔ کیا معترض نے پانی رکھنے یا چائے کو محفوظ کرنیکی انگریزی سفری بوتل کو نہیں دیکھا۔ جس میں بہت سے وقت کیلئے جتبک مسافر کی مرضی ہو پینے کی چیزیں اپنی حسبِ منشاء سرد یا گرم رکھی جاسکتی ہیں اور رسالہا سال کی حرکت میں کلاک یا ٹائم پیس وغیرہ رہ سکتے ہیں۔ پھر انسانی قوت کو تو فوراً تسلیم کرلیا جاتا ہے اور خدائے قادر وتوانا پر کیوں ایمان نہیں لایا جاتا۔ حالانکہ وہی اس تمام کائنات کے کارخانہ کا مالک اور خالق ہے۔ جسکی قدرت ذرّے ذرّے میں جاری وساری ہے۔

۷۔ سدرۃ المنتہیٰ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سدرہ کے معنی بیری کے ہیں جسکے پتونکا تذکرہ بھی حدیث میں قلال ہجر کے برابر مذکور ہوا ہے اور بیری میں اکثر کانٹے بھی ہوتے ہیں لہذا عالم بالا میں جہاں سے افقِ اعلیٰ قریب تر ہو کانٹے دار درختونکا ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

معترض صاحب کو سدرہ کے لفظ نے ایسا مبہوت کیا ہے کہ وہ خاردار بیری کے بغیر اور کوئی

مفہوم اسکا سمجھ ہی نہیں سکے۔ حالانکہ بہت سی وہ چیزیں ہیں۔ جنکے نام اُنکی جنسیت کو نہ مدِ نظر رکھتے ہوئے خود انسانوں نے وضع کر لئے ہیں اور اُن سے اُنکے نام کا مطلب لیکر موضوع نہیں سمجھا جاتا مثلاً ڈاکٹر اقبال کی کتاب بالِ جبرائیل کیا وہی بالِ جبرائیل ہے جو اپنا اصل موضوع رکھتا ہے یا جناب وکیل وہی وکیل ہے جو دو چار من وزن کا انسان ہو یا وہ ہستی جسکی یہ صفت ہو۔ کیا ایک شخص کا نام بدرالزمان رکھدیا جائے تو اس سے مراد وہی بدر ہوگا۔ جو زمانے پر اپنی مختلف منازل کے حساب سے طلوع کرتا ہے۔ کسی شہر کا نام الہ آباد ہونے سے یہ نتیجہ لازم نہیں آتا کہ وہاں خدا کی رہائش ہے جسطرح نورپور نورجہاں کا بسایا ہوا ہے اسیطرح الہ آباد بھی خدا کی بسائی ہوئی بستی ہے۔ یونہی سدرۃ المنتہیٰ کا تذکرہ ہے اور وہ اپنی بلندی کے لحاظ سے ایک واقع مقام ہے جو اس نام سے مشہور ہے اسکے نام کے لحاظ سے درخت بیر کا وہاں سمجھنا اور کانٹوں کا خطرہ محسوس کرنا ایک بے ضرورت استنباط ہے۔ اگر اتنا ہی سمجھ لیا جائے کہ ایک مقام ہے تو معترض کو خار دار جھاڑیوں سے اُلجھنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اسکے علاوہ قرآنِ کریم اسکی نفی نہیں فرماتا کہ اس زمین کے علاوہ جس پر معترض کی لاش ہے کسی اور ستارے یا سیارے یا آسمان پر بیری کا درخت پایا جانا غیر ممکن ہے۔ بلکہ اس نے بہشت میں درخت بیر کا ہونا ذکر فرمایا ہے اور ایسی بیری کا جسکے کانٹے لگنے سے معترض کی آنکھ بچ جائے یعنی سدرِ مخضود وطلحٍ منضود۔ فرمایا ہے کہ کانٹے صاف کی ہوئی بیریاں اور پھل سے لدے ہوئے کیلے کے پودے ہونگے۔ معترض کو اب بھی کانٹوں کا خطرہ لاحق رہیگا۔ یا خدا کی جنت سے خداواسطے کا بیر ہے تو سہ

رسائی نہیں عالمِ ہُو میں اس کی — گذر خاک پر ہے نظر خاک پر ہے
یہ باعث ہے الفت کا اس خاکداں کی — کہ وہ عالمِ پاک سے بیخبر ہے

حکایاتِ نادرہ

بعض کور باطن کسی اہم معاملہ کو سمجھنے کیلئے ہر بات پر ہمیشہ عمومی مثالیں تلاش کیا کرتے ہیں جن سے اس معاملہ کی اگر انتہائی کیفیت واضح نہ ہو تو ان کو کم از کم ابتدا کا ہی انکشاف ضرور ہو جائے۔ تاکہ ان کی کم ظرفی کو کوئی راہ تسلیم مل سکے یعنی بعض کفارِ قریش نے اسی مسئلہ معراج میں بڑی منصف مزاجی سے جو کام لیا تو یہ کہا۔ کہ آسمانوں کے حالات سے ہم ناواقف ہیں۔ اور بیت المقدس تک کا زمینی سفر ہم بھی بقائمی حواسِ خمسہ کر چکے ہیں۔ آپ بیت المقدس تک ہی اگر اپنے معراج زمینی کے آثار و علامات بیان فرما کر صحیح ثابت کر دیں تو آسمانی معراج کے ہم خود قائل ہو جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضور علیہ السلام نے واضح طور پر ثابت فرما دیا۔

اسی طریق میں کے بعض وہ لوگ ہیں جن کا معرضانہ رنگ قطعی مخالفت لئے ہوئے ہوتا ہے۔ مگر جب عملی تصدیق ان کے تمام جھگڑے کی راہیں بند کر دیتی ہے۔ تو وہ قطعی مخالف ہونے کے بجائے پکے مطابق اور صحیح الایمان مومن بن جاتے ہیں۔ چونکہ ہٹ دھرمی سے کام لینا دین حقہ میں جرم ہے اور جان بوجھ کر آیات اللہ سے انکار ایک مرتدانہ شوخی اور ملحدانہ جسارت — اس لئے ہر مسلمان کو لازم ہے۔ کہ دین کے معاملات میں سوائے حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع غلامانِ رسول اللہ جو ہر زمانہ میں، اسلام اور کتاب اللہ کے صحیح عامل ہوتے چلے آتے ہیں کسی زید بکر عمر کے بیہودہ اور خلاف شرع خیال کا تتبع نہ کرے تاکہ اس پر بھی انوار نبوت چمکیں۔ اور کبھی ان کی قاتق عاً مضہ

کو سمجھ سکے جو نبوت کے ذریعہ اس تک پہنچے ہیں۔ اور جن کی ضیا پاشی نورانیت اس کو بھی رازِ الٰہی کا اہل اور اسرارِ قدرت کا حامل بنا سکتی ہے لہذا؟ یہاں ظاہر بینوں کے لئے چند حکایات پیش کی جاتی ہیں جن سے ان کو پتہ چل جائے گا کہ قدرت الٰہیہ کا تعلق جب عوام الناس میں اس طرح ساری ہے تو محبوب الٰہی کی کیفیت و فضیلت۔ اس کی شانِ محبوبیت کو سامنے رکھتے ہوئے کیا ہونی چاہئے۔

حکایت برگزیدہ بزرگان نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بزرگ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی بہترین تصنیف فصل الخطاب میں لکھا ہے۔ کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں سے ایک مرید دریائے دجلہ پر غسل کرنے کو گیا۔ کپڑے اتار کر کنارے پر رکھے اور خود دریا میں غوطہ لگایا اچانک دیکھتا ہے۔ کہ ہندوستان میں ہوں۔ وہاں عمر کا بہت سا حصہ گذارا۔ متاہل ہوا اور اولاد پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد دوسری مرتبہ پھر پہلے کی طرح کیفیت ہوئی اپنے آپ کو دجلہ میں دیکھا کپڑے کنارے پر دھرے تھے۔ پانی سے نکل کر لباس پہنا اور خانقاہ میں آیا تو خانقاہ کے لوگ ابھی اسی دن کے وضو میں مشغول تھے اس کے ساتھ ہی خواجہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ یہ تو ظاہر بات ہے سالک راہِ سلوک جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو ایکدم میں ہزار سالہ راہ طے کرتا ہے جب غلامانِ محبوبِ خدا کی یہ حالت ہو تو حضورؐ کی نسبت کثافتِ جسمانی کے شبہ میں گرفتار ہونا اور حضورؐ کے درجات سے منکرانہ صورت بنانا کس ایمان افروزی کی دلیل ہے؟

حکایت فقیر کے اصلی وطن ضلع سیالکوٹ میں ایک بزرگ حافظ صاحب رحمۃ اللہ جن کا اسم گرامی اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو صوفی حافظ امام الدین رحمۃ اللہ

علیہ تھا۔ ان کے بہت سے کمالات کے علاوہ ایک عملی کمال یہ بھی ظاہر ہوا کہ آپ حج بیت اللہ شریف کو تیار ہوئے۔ تو آپ کے ایک غریب سے خادم نے جس کے پاس زادِ راہ بہت کم تھا عرض کیا کہ حضور اگر اجازت فرمائی جاوے تو بندہ بھی ہمرکاب چلے اور حج بیت اللہ سے باریاب ہو۔ آپ نے اُس سے زادِ راہ کا دریافت فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس سفر خرچ کی قلت ہے۔ تو اُس خادم سے ارشاد کیا۔ میاں تم پر اس حیثیت میں حج فرض نہیں۔ تم یہیں اللہ اللہ کرو جب زادِ راہ کی پوری توفیق رفیق ہو گی تو چلے جانا مگر وہ بضد ہوا۔ کہ مجھے ضرور ہمراہ لے چلئے آخر بہت ردّ و کد کے بعد جب اس کے اصرار اور معروضات کو حد سے بڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا تم یہاں ہی رہو۔ شریعت تم کو اس معاملہ میں مواخذہ نہیں کرتی اور حج کے ایام میں پاکیزہ لباس پہن کر میری چارپائی پہ میرے حجرے میں سو جایا کرنا۔ خداوندِ عالم کی مہربانی سے تمہاری غرض حج بیت اللہ کی پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور اس نے یہی وطیرہ اختیار کر لیا جب ایامِ حج آ گئے اور وہ حسبِ دستور اپنے معمول کا پابند رہا تو خاص حج کے دن کیا دیکھتا ہے کہ وہ بیت اللہ میں ہے اور حضرت حافظ صاحب ساتھ ہیں ارکانِ حج ادا کرا رہے ہیں اور بعد فراغت ادائیگی فرماتے ہیں کہ لو تمہارا کام ہو گیا ہے۔ تم چلو اور یہ میرا قرآن کریم جو میں اپنے ساتھ اس سفر میں لایا تھا لے چلو میں بھی آجاؤں گا آپ کا خادم وہاں سے اسی حالت میں واپس ہو جاتا ہے اور بیداری کے وقت وہ صرف اس گذشتہ کیفیت کو ہی یاد کر کے مسرور نہیں ہوتا بلکہ آپ کا وہ قرآن کریم جو آپ ساتھ سفر بیت اللہ میں بغرض تلاوت لے گئے تھے۔ اپنے پاس پاتا ہے اور اپنے حج پر نازاں ہوتا ہے اس واقعہ کو وہی ایک شخص نہیں بلکہ ایک دنیا جانتی ہے۔ کہ حافظ صاحب حسبِ قاعدہ دیگر حجاج کے ساتھ واپس تشریف لائے اور آپ نے

اُس سے قرآن کریم کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ اس لئے دیا تھا تاکہ تو شیطانی وسوسہ اور خیالی وہم سے محفوظ رہے۔ ذرا خیال فرمائیے کہ غلامانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب یہ کیفیت ہے۔ تو پھر حضورؐ کی شان میں کمال معراج کو محال جاننا ایک گندہ عقیدہ اور مذموم ذہنیت نہیں تو اور کیا ہے؟ چودھویں صدی کے نامور شاعر علامہ اقبال اسی موضوع پر فرماتے ہیں ؎

کیمیا پیدا کن از مشت گلے　　　بوسہ زن بر آستانِ کاملے

شمع خود را ہمچو رومی بر فروز　　　روم را در آتشِ تبریز سوز

فقیر کے ایک نہایت محترم بزرگ نے اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان فرمایا

حکایت جو حقیقتاً مسئلہ معراج سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اور مومنوں کی افزونیٔ ایمان کے لئے یہاں پر درج کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے گاؤں کوٹلی لوہاراں میں ایک درویش سید فضل شاہ المعروف سائیں کھلا رحمۃ اللہ علیہ رہا کرتے تھے جن کی حالت کچھ مجذوبانہ تھی۔ ایک مرتبہ وہ پھرتے پھراتے سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ تو دیکھا۔ کہ ایک چوک میں ایک پادری صاحب مسئلہ معراج النبی علیہ السلام پر لغو اعتراضات کر رہے ہیں۔ اور عوام الناس میں سے (جو اکٹھے ہو چکے تھے) کچھ لکھے پڑھے مسلمان بھی اس کے اعتراضات کے جوابات دینے میں مقابلہ پر ڈٹے ہوئے ہیں تو تُو مَیں مَیں کا بازار گرم ہے۔ غوغا آرائی ہو رہی ہے کبھی ان کے جوابات پر تالیاں بج رہی ہیں اور کبھی اس کے اعتراضات کا مسخر اڑایا جا رہا ہے ہجوم دیکھ کر سید صاحب بھی آگے بڑھے اور اپنے مجذوبانہ انداز میں لوگوں سے پوچھنے لگے کہ یہ کیسا شور ہے۔ کیا کوئی تماشہ ہو رہا ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں اہل علم کا مناظرہ ہو رہا ہے۔ ایک طرف ایک عیسائی پادری ہے۔ اور دوسری جانب مسلمان مولوی۔ آپ نے پوچھا کہ مسئلہ کیا ہے۔ ہم بھی سُنیں۔ لوگوں نے کہا میاں تُو تو دیوانہ ہے یہ علم کی باتیں ہیں تو کیا

جانے۔ آپ نے فرمایا سُننے میں کونسا گناہ ہے۔ آخر تم بھی تو سُن ہی رہے ہو۔ تو مخاطب سے جواب ملا کہ مسئلہ معراج النبی علیہ السلام پر بحث ہے۔ پادری کہتا ہے۔ کہ جسم کے ساتھ بیت المقدس تک سفر کرنا اور آسمانوں پر چڑھنا ممکنات سے ہے کیونکہ انسان کی کثافت جسمی ایسے عملِ محال کی مقتضی نہیں ہو سکتی کہ آسمانوں اور لامکان تک انسان جا سکے اور مسلمانوں کے مولوی صاحب حضورؐ کی اس فضیلت کو ثابت کر رہے ہیں۔
اتنی بات سُن کر سید فضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے۔ اور پادری سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ پادری صاحب کیا میرا جسم کثیف اس سامنے والی دُکان کی دیوار سے بغیر دروازے اور دیوار کے پھٹنے کے دُکان میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں تو پادری صاحب نے کہا کہ ہرگز نہیں پھر سید صاحب فرمانے لگے اگر میں ایسا کر کے دکھا دوں تو پھر اس نے کہا پھر آپ سچے ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے اُسی وقت بھرے مجمع میں دیوار پر آنکھیں بند کر کے ہاتھ رکھا اور بغیر دیوار پھٹنے کے دکان کے اندر داخل ہو گئے۔ اور آوازیں دینے لگے مگر اس پر بھی اُس کا اطمینان نہ ہوا تو پھر اسی طرح اندر سے باہر آئے پھر اندر گئے حتیٰ کہ تین مرتبہ ایسا کر کے دکھایا جس کو ایک کثیر جماعت حاضرہ نے دیکھا اور سید صاحب کے کمال اور سرکارِ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج پر دلوں سے تصدیق کر گئی۔
سید صاحب نے فرمایا کہ فقیر کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجسم نور الٰہی سے حقیقتاً کوئی ہزارواں حصہ بھی نسبت نہیں۔ وہ ہستی نور خدا صلی اللہ علیہ وسلم وراء الوراء ہستی ہے۔ جب میرے اس جسم کثیف کے سامنے کثافتِ دیوار حائل نہیں ہو سکی تو سرکارِ انبیاء کا جسم اطہر جو نورِ مجسم تھا اور حکم الٰہی سے صعود الی السماء کر رہا تھا ایسے محالات کو کیا جانتا ہے جب کہ یہ سب کچھ حضورؐ ہی کے نور سے پیدا بھی فرمایا گیا ہے کیا اس عملی دلیل کے سامنے بھی وہابی تباہی

اعتراضات کو جگہ مل سکتی ہے ہاں وہ لوگ جنہیں نورِ نبوتؐ سے دوری ہے اُن کے منہ کھولنے میں معذوری ہے؟

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ ست | آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ ست
عاشقاں او را ز خوباں خوب تر | خوش تر و زیبا تر و محبوب تر

مولانا جلال الدین سیوطی رومی رحمۃ اللہ علیہ کا جن کو (زمانہ بھر کے عقلاً

حکایت داد یار) ایک بمثال فلاسفر مانتے ہیں یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کامل خواجہ کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے مولانا رومی کے پاس آئے۔ جب آپ مکتب مولانا رومی علیہ الرحمۃ میں پہنچے اس وقت حضرت مولانا اپنے معمول کے مطابق درس تدریس میں مشغول تھے شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کو اپنے مجذوبانہ انداز میں مخاطب فرما کر کہا۔ کہ یہ کیا قصہ کہانی اور یہ دماغ سوزی ہو رہی ہے۔ مولانا کو اس آواز سے سخت ملال ہوا اور فرمایا کہ تیری دیوانگی اس کی اہل نہیں اور تعلیم میں مشغول ہو گئے شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ پاس بیٹھ گئے اور مولانا کی بڑی محنت کی لکھی ہوئی دو چار کتابیں اُن کی نظر بچا کر پانی کے تالاب میں (جو مسجد ہی میں تھا) ڈال دیں۔ مولانا ان کی اس حرکت سے سخت برافروختہ ہوئے اور غصہ کھا کر جزع فزع کرنے لگے۔ کہ تم نے میری محنت کی پیدا کردہ کتب کو گھگو کر سنیاناس کر دیا ہے۔ حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ آپ کی ناراضگی حد سے بڑھ رہی ہے تو فرمایا مولوی صاحب اس ناراضگی کا کیا باعث ہے لو یہ آپ کی قیمتی کتابیں ہیں۔ اور یہ کہتے ہی ہاتھ تالاب میں ڈالا اور خشک و غبار آلود کتب جن پہ سے گرد اُڑتی تھی اور پانی کا نشان تک نہ تھا۔ نکال دیں اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ یہ تمہارا ہی علم ہے جس کو پانی میں گل جانے کا

اندیشہ ہے ہمارے علم کو یہ خوف نہیں۔ وہی دن تھا کہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ حضرت شمس تبریزی کے اس کمال سے اولیاء اللہ کی حقیقت و درجات سے واقف ہوئے جس کی نسبت خود ارشاد فرماتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم ‌ ‌ ‌ تا غلامِ شمس تبریزی نشد

اسی حکایت اور حقیقت کو اپنی تحقیق کے ماتحت علامہ اقبال دوسرے الفاظ میں اپنی مشہور تصنیف مثنوی اسرارِ خودی میں یوں تحریر فرماتے ہیں :-

اے کہ باشی در پئے کسبِ علوم ‌ ‌ ‌ با تو میگویم پیامِ پیرِ روم
علم را بر تن زنی مارے بود ‌ ‌ ‌ علم را بر دل زنی یارے بود
آگہی از قصۂ اخوندِ روم ‌ ‌ ‌ آنکہ داد اندر حلب درسِ علوم
پائے در زنجیرِ توجیہاتِ عقل ‌ ‌ ‌ کشتیش طوفانیِ ظلماتِ عقل
موسئی بیگانۂ سینائے عشق ‌ ‌ ‌ بیخبر از عشق و از سودائے عشق
از تشکک گفت و از اشراق گفت ‌ ‌ ‌ وز حکم صد گوہرِ تابندہ سُفت
عقدہائے قولِ مشائین کشود ‌ ‌ ‌ نورِ فکرش ہر خفی را وانمود
گرد و پیشش بود انبارِ کُتب ‌ ‌ ‌ بر لبِ او شرحِ اسرارِ کُتب
پیرِ تبریزی ز ارشادِ کمال ‌ ‌ ‌ جُست راہِ مکتبِ مُلّا جلال
گفت ایں غوغا و قیل و قال چیست ‌ ‌ ‌ ایں قیاس و وہم و استدلال چیست
مولوی فرمود ناداں لب ببند ‌ ‌ ‌ بر مقالاتِ خردمنداں مخند
پائے خویش از مکتبم بیروں گذار ‌ ‌ ‌ قیل و قال است ایں ترا با وے چہ کار
قالِ ما از فہمِ تو بالاتر است ‌ ‌ ‌ شیشۂ ادراک را روشنگر است

سوزِ شمس از گفتۂ ملا فزود | آتشے از جانِ تبریزی کشود
بر زمیں برقِ نگاہِ او فتاد | خاک از سوزِ دمِ او شعلہ زاد
آتشِ دل خرمنِ ادراک سوخت | دفترِ آں فلسفی را پاک سوخت
مولوی بیگانہ از اعجازِ عشق | ناشناسِ نغمہ ہائے سازِ عشق
گفت ایں آتش چساں افروختی | دفترِ اربابِ حکمت سوختی
گفت شیخ اے مسلمِ زنار دار | ذوق و حال است ایں ترا با وے چہ کار
حالِ ما از فکرِ تو بالاتر است | شعلۂ ما کیمیائے احمر است

مسلمانو! یہ ہے ایک صوفی کی زندگی کا عملی پہلو جس نے مولانا جلال الدین رومی جیسے مثیل فلاسفر اور فاضل اجل کی زندگی کی حیثیت یکقلم بدل دی۔ آج بھی ہمارے گرد و پیش کے حالات اسی امر کا تقاضا کر رہے ہیں کہ صوفیائے کرام سجادہ نشین حضرات اور اہلِ طریقت سب کے سب اپنے اندر وہی سرگرمی اور جذبۂ دعوت و تبلیغ پیدا کریں جو متقدمین میں پایا جاتا تھا۔ اور جس کی بدولت ظلمت کدہ ہندوستان نورِ اسلام سے منور ہوا۔ ہم میں کون ایسا ہے جو حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ۔ خواجہ بہاء الدین زکریاؒ۔ خواجہ نظام الدینؒ دہلوی۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے نام سے واقف نہیں۔ کیا ان کی زندگی کا نمایاں پہلو تبلیغِ اسلام نہیں۔ اور کیا انہوں نے اس فریضہ کی خاطر بڑی سے بڑی تکلیف کو صبر اور شکر کے ساتھ برداشت نہیں کیا۔ کیا آپ نے ان کی زندگیوں پر کچھ غور و فکر کیا اور کیا آپ نے کہیں دیکھا کہ فرض سے کوتاہی کی خاطر انہوں نے مصلحتِ وقت۔ حالات کی مساعدت اور قوم کی ہمنوائی کا عذر پیش کر کے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر ہم میں یہ تساہل اور غفلت کیوں ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے فرائض کو سمجھیں۔ اور ان کی صدا

پر لبیک کہیں۔

اس مقصد کی خاطر ہمیں اپنے اندر اتحاد و یک جہتی پیدا کرنی اور ایک مرکز پہ مجتمع ہونا ہوگا۔ اپنے تمام اختلافات کو دلوں سے محو کر کے اسلام اور تبلیغ اسلام کے لئے بڑے سے بڑے ایثار اور عظیم الشان سے عظیم الشان قربانی دینی ہوگی کیونکہ وہ فرض جس کی جانب سے ہمارے مسلم بادشاہوں نے تغافل برتا آج اس کے تکمیل کا وقت آگیا ہے۔ ہندوستان کے آٹھ کروڑ اچھوت اور اونچی جاتی کے کروڑوں انسان مائل بہ اسلام ہیں۔ دُنیا کی موجودہ سیاسی و معاشرتی کش مکش دُنیا کو اسلام کے قریب تر لا رہی ہے فقط ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مستعد ہو کر میدان میں نکلیں اور وہ کام جو ہمارے ذمہ عائد ہو چکا ہے۔ اسے پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

موضع رتہ چھتڑ والے بزرگوں کا یہ ایک مشہور و معروف قصہ

حکایت زبان زد خلائق ہے اور اس پہ ایک آبادی شاہد ہے۔ کہ وہ ایک مقام پہ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں کسی معتقد و مرید کے ہاں تشریف لے گئے تو وہاں بعض اُن بد باطن لوگوں نے جو بزرگان دین سے عقیدۃً ہمیشہ مخالف رہتے ہیں عجیب ڈھونگ رچایا اور حضرت صاحب موصوف الصدر کی آزمایش کے درپے ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے منصوبہ گانٹھا کہ یہ لوگ صاحب باطن اور روشن ضمیر کہلاتے ہیں۔ ان کو کسی طریقہ سے ذلیل کرنا چاہیئے۔ اور طریقۂ تذلیل یہ نکالا کہ ایک نوجوان کو جیتے جی کفن پہنا کر اس کا صاحب موصوف کو جنازہ بنا کر پیش کریں تاکہ نماز جنازہ پڑھا دیں جب وہ جنازہ پڑھا دیں گے تو یہ اُٹھ بیٹھے گا۔ اُن کی فضیحت ہوگی۔ حتیٰ کہ وہ اس کو آپ کی خدمت میں بصورت جنازہ لے آئے اور آ کر منہ بسورتے ہوئے عرض کرنے

لگے کہ حضرت یہ ایک نوجوان میت ہے آپ اس کی خوش قسمتی سے تشریف لے آئے ہیں ممکن ہے کہ حضور کی دعائے خیر سے اس کی نجات ہو جائے۔ آپ اس کا جنازہ پڑھا دیں۔ اور دلوں میں وہی خیال کہ آپ کو اس کی زندگی کا علم نہ ہو گا۔ ہم بعد نماز جنازہ مضحکہ اڑائیں گے۔ ان کی اس درخواست پر صاحب موصوف نے فرمایا۔ کہ میاں تمہارا حق امام اس کے جنازہ کا حق رکھتا ہے اس سے کہو مگر انھوں نے اپنی بدنیتی پر اصرار کیا کہ آپ کو اجازت ہے آپ ہی پڑھائیں۔ چنانچہ آپ نے اجازت پاکر جنازہ پڑھا دیا۔ اب وہ لوگ اپنے خبثِ باطنی کے ماتحت اس شریر میت کو اشارے کرنے لگے کہ اٹھ بیٹھے۔ ان بزرگوں نے دیکھ کر فرمایا۔ کہ کس کو اشارہ ہے ہو مجھے خدا کی قسم ہے کہ یہ مُردہ قیامت کو بھی باقی مخلوق سے بعد اٹھے گا۔ چنانچہ جب معلوم کیا تو وہ واقعی مر چکا تھا۔ اللہ اکبر۔ جب موت وحیات کے کاموں میں بندگانِ خدا اور غلامانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تصرف ہے۔ تو سرکار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی علوِ مرتبت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ ؎

اولیاء راہست قدرت از الٰہ

تیرِ جستہ باز گردانند ز راہ

حکایت

سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک سفر میں ایک خدا کا بندہ میرے ہم سفر تھا۔ کہ راستہ میں دریا آگیا۔ کشتی تیار تھی۔ ہم نے اس میں بیٹھ کر پار جانے کا قصد کیا تو ملاحوں نے کہا۔ کہ ہم کو کچھ محنتانہ دو پھر ہم کشتی پر سوار کریں گے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میرے پاس پیسے اتنے موجود تھے جو میں نے اپنی طرف سے ادا کر دیئے لیکن میرے ہم سفر کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس نے

نہ خود ہی ادا کیئے ۔ اور نہ میں ہی اس کی طرف سے ادا کر سکا حتیٰ کہ وہ رہ گیا۔ اور کشتی روانہ ہو گئی ۔ مجھے اپنے ہم سفر کے رہ جانے کا بڑا رنج ہوا مگر کیا تھا مجبور ہو کر ساتھی کو چھوڑنا پڑا۔ میں اسی افسوس میں تھا۔ کہ کشتی دریا کو عبور کر کے دوسرے کنارے پہ پہنچ گئی ۔ میں جب کشتی سے اُترا ۔ تو میں نے دیکھا ۔ کہ وہی میرا ہم سفر اگلے کنارے پہ کھڑا ہے ۔ میں بڑا خوش ہوا ۔ اور پوچھا ۔ کہ میاں آپ کس طرح پہنچے ۔ تو اُس نے کہا کہ تمہارا کشتی آور دو مار اخدا ۔ تمہیں تمہاری کشتی لے آئی ۔ اور ہم کو ہمارا خدا لے آیا تم جب کشتی پہ روانہ ہو گئے ۔ تو میں نے اپنا مصلّے پانی پہ ڈال دیا ۔ اور تم سے پہلے کنارے پر آ پہنچا ۔ اہل دانش کے لیئے کس قدر غور کا مقام ہے کہ ایک مرد مومن پانی کو جلد از جلد عبور کرنے میں باوجود جسم کثیف رکھنے کے پابند اسباب نہیں تو حضور علیہ السلام کیونکر معاملات عقلی کے دائرہ میں محدود ہو سکتے ہیں ۔ ایسی ہزارہا مثالیں اہل اللہ میں موجود ہیں ۔ کہ وہ لاکھوں کوسوں کا سفر منٹوں میں طے کرتے ہیں ۔ ایک ہی وقت میں کئی جگہ دکھائی دیتے ہیں ۔ آگ ان پہ اثر نہیں کرتی ہوا کے جھونکے ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتے سردی گرمی کے تاثرات سے وہ مستثنے ہیں ۔ ہزاروں منوں کا بوجھ سکینڈوں میں لانے پر ان کو قوت حاصل ہے ۔ جیسے قرآن کریم میں بلقیس کے تخت لانے کا قصہ آصف بن برخیا کے حالات میں بیان فرمایا گیا ہے ۔ بھر تعجب ہے ۔ کہ عقل سفلی کے پابند اہل اللہ تو درکنار خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جن کی طفیل آپ کے غلاموں کو یہ طاقتیں حاصل ہیں تنقیص کرتے ہیں ۔ جو سراسر ایمان جیسی نعمت عظمٰے کے ضائع کر بیٹھنے کی دلیل ہے اللھم احفظنا من شرور الفساد من سیئات اعمالنا ۔

حضرت شیخ المحدثین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز

حکایت (جن کے خاندان کی برکت سے ہندوستان میں علم حدیث آیا اور پھیلا ہے) اپنی مشہور تصنیف در الثمین فی مبشرات النبی الامین کی پندرھویں حدیث کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مجھے میرے سیّد والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے فرمایا۔ کہ ایک مرتبہ مَیں بعارضہ بخار بیمار ہوا۔ تو مَیں نے سرکار انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضور علیہ الصلوات والسلام نے مجھ سے حال پوچھا اور صحت شفا کی بشارت فرما کر مجھے حکم فرمایا کہ میرے وضو کے لئے پانی لاؤ۔ مَیں نے پانی خدمتِ اقدس میں پیش کیا جس سے حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا اور بعد وضو کے اپنی ریش مبارک میں شانہ کیا یعنی کنگھی فرمائی۔ اور کنگھی سے جو دو بال ریش مبارک سے اُترے وہ مجھے عطا فرمائے۔ اور حضورؐ تشریف لے گئے مَیں جب بیدار ہوا۔ تو بیماری سے مجھے بالکل صحت تھی۔ اور وہ دونوں مُوئے مبارک میرے ہاتھ میں موجود تھے۔ شاہ ولی اللہ محدّث قدّس سرہٗ فرماتے ہیں۔ ایک بال مبارک حضرت والد مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے عنایت فرمایا جو اب تک میرے پاس ہے اور ایک اپنے پاس رکھا تعجب کی بات ہے۔ کہ اس جسم مطہر کے متعلق بھی معترضین معراج جسمانی کو محالات سے سمجھتے ہیں۔ جو اپنی جسمانیت کے ساتھ آنکھوں میں سما جائے۔ وضو فرمائے۔ اور جسمانیت ظاہری کا ثبوت اپنے بال مبارک چھوڑ جائے۔ اگر یہ محض روحانی ملاقات تھی تو بال کس کے تھے۔ اور اگر جسم مبارک تھا۔ تو آنکھوں میں کیونکر سما یا۔ یہی گو مگو ہے جو معترضین کو مذبذب رکھتی ہے۔ مولا کریم ان کو بھی نور نبوت سے بہرہ مند کرے۔ کہ وہ اپنی بشریت اور انما انا بشر مثلکم کی بشریت کے مخمصہ

سے نجات حاصل کریں۔ اور انی لست کھیئتکم وایکم مثلی کے رتبے کو جانیں۔ ورنہ قالوا انبشرا یھدوننا کے قائل ہو کر ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ نعوذ باللہ من ذالک

حکایت حضرت شیخ الاسلام بابا فرید الدین گنج شکر اجودھنی پاک پتنی رحمۃ اللہ علیہ اُس واقعہ کو جو تالاب شمسی کے متعلق ہے جس کو شمس والئے دہلی نے بنانا چاہا تھا، اپنے شیخ حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی مشہور تصنیف فوائد السالکین میں یوں ارقام فرماتے ہیں۔ کہ اس کو ایک حوض بنانے کا خیال دامن گیر ہوا بہت سے مقامات تجویز کیے پسند نہ آئے ایک دن اپنے درباریوں کو ساتھ لے کر جگہ کی تعین کو روانہ ہوا حتےٰ کہ ایک جگہ پسند کی جس کا نشان سرکار دوجہاں تاجدار کون ومکاں نبی الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیا تھا اور وہیں پر تالاب شمسی بنایا ہوا اب بھی موجود ہے اہل حق کے لئے اصل عبارت فوائد السالکین کی درج کی جاتی ہے۔ تاکہ ایمان تازہ کریں۔

شمس والئے دہلی خواست کہ حوض بناکند یک روز سوار شد باجمیع ارکان دولت زمین برائے راست کنانیدن میدید چنانچہ رسید آنجا کہ حوض است بایستاد کہ ایں زمیں بہتر است۔ چوں دید باز گشت و در قصر آمد چوں آں مردیکہ از واصلان حق بود ہمدریں نیت در آں شب ہمراں مصلے قدرے درخواب شد۔ چنانچہ دید نزدیک چبوترہ کہ در آں حوض است کہ مردے بادو گیسو کشادہ خوبصورت کہ صفت او نتواں کرد بر اسپ وچند نفر یار برابر او ایستادہ ہمیں نظر مبارک ایشاں بر من افتاد پیش خود طلبیدہ فرمود کہ بیا چہ نیت داری گفتم نیت ایں دارم کہ ایں جا حوض بناکنم۔ ہمدریں گفتگوئے کسی کہ نزدیک

آں مرد استادہ بود مرا گفت اے شمس ایں رسول خدا است عزوجل ۔ آنچہ درخواست داری بازنمائی تا آنمرد بدامن نور رساند۔ چوں مرا اندیشۂ ایں حوض بود ہمیں التماس کردم و درپائے مبارک رسول علیہ السلام افتادم بعدۂ بر خاستم دست بستہ ایستادہ شدم ہمانجا کہ چبوترہ است اسپ رسول علیہ السلام وست بزد آب بیرون آمد رسول علیہ الصلوات والسلام فرمود کہ اے شمس ہمیں جا حوض راست بکنانی ایں چنیں آب بیرون خواہد آمد کہ در ہیچ شہر و مقامے لذت آں آب نباشد ہمدریں گفتگوئے بیدار شدم ہمانروز بگاہ سوار شدم چوں آنجا بیامدم کہ اسپ رسول علیہ السلام سُم زدہ بود۔ چہ بینم کہ آب بیروں آمدہ است و آں جا قرار گرفتہ ہر کس کہ برائے شمس آمدہ بود قدرے ازاں آب خوردند سوگند بہ زبان راندند کہ صد ہزار شیریں از ہر چہ جمع کنند و بخواند ایں چنیں شیریں نیابند کہ لذت آں آب دارد۔ آنگاہ خواجہ قطب الاسلام فرمود کہ شیرینی آں آب برکت قدم مبارک رسول اللہ علیہ السلام بود۔ اس حکایت سے صاف عیاں ہے کہ جس مقام پر رات کو آپ کے گھوڑے کا سُم دیکھا تھا۔ وہاں صبح کو پانی خوش گوار پایا۔ اگر قلب منور ہے تو اس جسمانیت کو سمجھنا چاہیئے ۔

نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثل فی الصفات ہونا

ناز تھا حضرت موسیٰ کو ید بیضا پہ
تھو تجلی کا محل نقش کف پا تیرا

اُن لا یعقل و برائے نام مسلمانوں کی حماقت پر افسوس کی کیا حد ہو سکتی ہے جنہوں نے اپنی ہی ہستی اسے غافل ہو کر خدا کے محبوب ترین و برگزیدہ نبی تاجدار دوجہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (جو اپنی بے مثلی میں بے مثل ہیں) اپنے جیسا بنانے اور سمجھنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور وہ حکایات لا ہیہ و روایات واہیہ اسلامی لباس میں عوام الناس کے لئے گھڑی ہیں۔ جن سے ابن سبا کی بھی روح پناہ مانگتی ہے اور کور باطن یہ بھی نہیں سمجھ سکے۔ کہ کفار کو نبوت پر اگر کوئی بڑا اعتراض کرنے کی جرأت ہوئی تو وہ یہی تھا ما انتم الا بشر مثلنا۔ جس کا یہ اعادہ کر رہے ہیں۔ اگر ذرا بھی عقل سے کام لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ وہ ہستی مقدس جس کے قلب اطہر میں تمام جہاں کے اسرار و علوم۔ اور جو عالم ما کان و ما یکون ہو جس کا سینہ انوار الٰہی کا گنجینہ اور معارف ربانی کا خزینہ ہو جس کے رخ انور۔ پاکیزہ زندگی اور مسکن پاک کی خدا نے قسمیں کھائی ہوں۔ جس کا پیشاب پاک۔ پاخانہ خوشبودار پسینہ معطر جس کی گفتگو خدا کی گفتگو جس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ۔ جس کا لعاب دہن ہر مرض کی دوا۔ جس کا وجود مقدس سراپا برہان۔ جس کا بال بال برکت و رحمت۔ اور جس کی ذات منجانب اللہ معصوم و مصطفےٰ ہو۔ اُس سے ہم کیا نسبت مماثلت رکھیں جو سراپا گنہگار و پُر خطا ہیں۔ ہم سے وہ کون ہے

جس کے ہر ایک عضو میں وہ خواص پائے جاتے ہیں جو خدا کے لاڈلے اور نورِ مجسم رسولؐ میں پائے جاتے ہیں۔ قیامت تک کا کس کو علم ہے کس کے ہاتھوں میں رحمت کے خزائن کی چابیاں ہیں۔ کس کے فضلات خارجہ پاک ہیں۔ پھر اگر یہ نہیں اور یقیناً نہیں تو بتائیے خدا کے بے مثل پیارے کے ساتھ مماثلت کا دم مارنا اور برابری ذات وصفات کا مدعی ہونا انتہائی ضلالت اور منہ چڑانا نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسی ملحدانہ بے باکی اور جسارت تو مکذبین کے پیشوا مسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی بھی نہیں کر سکے جو ان نفس کے بندوں سے ظہور میں آرہی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم حیثم حق بین ہو تو حضورؐ کے وجود مقدس ومطہر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنی ذات وصفات میں وہ بے مثل عبدیت رکھتے ہیں جس کی ہیئت سے بھی کسی دوسرے کی مماثلت کو خود ہی جائز قرار نہیں دیتے۔ اور انی لست کھیئتکم سے سب کی نفی فرما دیتے ہیں۔ اگر آپ بے مثل ہو کر دنیا میں نہ آتے تو آپ سے ظاہر و باطن میں معارضہ ہوتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ انبیاء میں سے جو نبی دنیا میں آتا ہے وہ ظاہری و باطنی عیوب لبشری سے پاک ہوتا ہے۔ شکل وصورت اور صفائی میں بھی بے مثل ہوتا ہے۔

لہٰذا فقیر اس باب میں سرورِ کائنات مفخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ ظاہری اور کمالِ باطنی سے چند وہ حقائق جن سے معلوم ہو جائے۔ کہ آپ اپنی نظیر نہیں رکھتے مختصراً درج کتاب ہذا کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خداوند عالم جل مجدہٗ ان بے نصیبوں کو بھی ہدایت دے۔ جو سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مانند جان کر توہینِ نبوت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وما باللہ التوفیق

آنحضرتؐ کے موئے مبارک

ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ

سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنا ایک بال مبارک ہاتھ میں پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جس نے میرے ایک بال کی بھی بے ادبی کی اس پر جنت حرام ہے۔ حاکم وغیرہ محدثین رحمہم اللہ علیہم نے روایت کی ہے۔ کہ جنگ یرموک میں حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گم ہو گئی اور وہ عین اُس وقت جبکہ میدان کارزار گرم ہو رہا تھا اپنی ٹوپی ڈھونڈھنے میں مشغول ہو گئے۔ لوگوں نے ایسے حال میں جبکہ مسلمانوں کی موت و حیات کا سوال درپیش تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ٹوپی ڈھونڈھنے میں لگ جانے کو ناپسند کیا لیکن وہ اسی ٹوپی کی تلاش میں لگے رہے۔ بالآخر ان کو ٹوپی مل گئی تو انہوں نے اپنے آپ کو مطمئن پا کر بیان کیا کہ اس میری ٹوپی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصیہ یعنی پیشانی مبارک کے بال ہیں۔ جو کہ ایک دفعہ آپ عمرہ بجا لانے کو بیت اللہ تشریف لے گئے اور سر مبارک کے بال اُتروائے اُس وقت ہم سے ہر ایک بال لینے کی کوشش کر رہا تھا اور ہر ایک ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ تو میں نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک کے بال حاصل کر لئے تھے اور اس ٹوپی میں سی رکھے ہیں میں اس ٹوپی کو اس لئے ڈھونڈھ رہا تھا کہ یہ ٹوپی جس جنگ میں میرے سر پر ہوتی رہی ہے میں اس جنگ میں ضرور فتحیاب ہوتا رہا ہوں۔ اسی طرح بیہقی نے اور ابن الاثیر نے اپنی کتاب اسد الغابہ میں نقل کیا ہے۔

آپ کا سرِ مبارک واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی الرسول میں غزوہ انمار (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد بن زیادہ سے اس نے زید بن ابی عتاب سے اس نے عبد اللہ بن رافع بن خدیج سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ کو نکلے مخالفین

ہم کو دیکھ کر پہاڑوں کی کمین گاہوں میں مقیم ہو گئے اور حضور علیہ السلام نے اپنے لشکر کو ذی امر میں اتارا۔ پھر خود حضور قضائے حاجت کو دور تشریف لے گئے اسی اثنا میں بارش آگئی اور اس کے برسنے سے آپ کے کپڑے کسی قدر بھیگ گئے جن کو خشک کرنے کے لئے آپؐ نے وہاں ہی جہاں کہ آپؐ قضا سے حاجت کو تشریف لے گئے تھے ایک درخت پر ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر کہ حضورؐ تنہا جنگل میں ہیں غطفان نے اپنے بہادر سردار دعثور بن حارث کو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اکیلے اور اپنے لشکر سے دور نظر آتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تو ان کا وہاں ہی کام تمام کر دے ممکن ہے پھر ایسا موقعہ نہ ملے۔ دعثور نے بھی یہ سن کر وقت کو غنیمت سمجھا اور اس بُرے ارادے پر کہ حضورؐ کو قتل کر دے تلوار ہاتھ میں لے کر پہاڑ سے اتر آیا جب آپؐ کے قریب آیا تو اس وقت آپؐ ایک درخت کے نیچے لیٹے ہوئے اپنے کپڑوں کو دھیان فرما رہے تھے۔ اچانک جو نظر اٹھائی تو دعثور کو تلوار برہنہ کئے اپنے سر مبارک پر کھڑا پایا۔ اور آواز سُنی۔ کہ آپؐ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ جو سب پر غالب اور زبردست ہے۔ دعثور نے جب یہ کلمات سُنے تو اس پر اللہ عزوجل کے نام و عظمت کا رعب چھا گیا پھر جبریل علیہ السلام نے اس کے سینے پر کینے پر ایک ایسی ضرب لگائی۔ کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی پھر حضور علیہ السلام نے تلوار کو اٹھا لیا اور اس کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بول اب تجھ کو مجھ سے کون چھڑائے گا۔ وہ بولا کوئی نہیں۔ تو آپؐ نے اس کو فرمایا جا چلا جا۔ وہ نہایت متعجب ہو کر وہاں سے پھرا اور کہنے لگا کہ آپ مجھ سے اچھے ہیں آپؐ نے فرمایا ہاں میں بہتر ہونے کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں۔ پھر جب دعثور اپنے ساتھیوں میں لوٹ آیا تو انھوں نے کہا کہ کیا

ہوا ہم نے تو تجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سر پر کھڑا دیکھا تھا۔ پھر تو نے کچھ بھی نہ کیا۔ تو کہنے لگا۔ کیا کہوں خدا کی قسم جب تک میں زندہ رہوں گا ایسے محسن سے کبھی نہ لڑونگا اور نہ ہی لوگوں کو ان کی بُرائی کے لئے بُلاؤں گا۔ پھر اس کے بعد وہ اسلام قبول کر گیا ایسا ہی ایک واقعہ محی السنتہ امام لغوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سند سے دُنیا کی بدترین شخصیت ابوجہل کا روایت کیا ہے۔ جس میں اُس کا بھی اور قبیلہ بنی مخزوم سے ایک اور شخص کا بھی اپنے ارادوں میں خاسر و ناکام رہنا ذکر فرمایا ہے۔

محبوبِ خدا کی پیشانی مبارک

دلائل میں ابونعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت فرمائی ہے جس کا مضمون ملخصاً یوں ہے۔ کہ ایک عورت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنے خاوند کی شکایت کی اور ظاہر کیا کہ وہ مجھے خوش نہیں لگتا اور نہ میں اس کو چاہتی ہوں حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تُو اس کو بُرا جانتی ہے۔ اس نے عرض کیا۔ ہاں میں اس کو اچھا نہیں سمجھتی۔ آپ نے فرمایا تم دونوں اپنے سروں کو میرے نزدیک لاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا پس سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے سر جوڑ کر اپنی مبارک پیشانی پر رکھ لیے۔ ان دونوں میں اس قدر محبت پیدا ہو گئی۔ کہ ایک دوسرے کے بغیر ایک پل بھی صبر نہ کر سکتے۔

نبی الانبیاء کا چہرہ مبارک

تفسیر قرآن کریم میں تحت آیت اللہ نور السموات والارض امام نحو و تفسیر نفطویہ نے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں چہرہ مبارک سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے جو بلا اظہار دعوائے نبوت اور تعلّم و تعلیم قرآن اہل بصیرت کے لئے دلیل

رسالت و باعث ہدایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کا قول ہے کہ اگر آپ معجزات اور دلایل نبوت کو نہ بھی اظہار فرماتے تو چہرہ انور ہی آپؐ کی نبوت کی دلیل کافی تھا۔

احیاء العلوم میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی سادہ مزاج عربی کسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ پاتا تو قسمیہ طور پر پکار اُٹھتا۔ کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہے۔ اور آپ کے اقوال و افعال اور شمائل ہی آپ کے سچا ہونے پر براہین قاطعہ تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی بھی خوش چہرہ نہیں دیکھا۔ دیکھنے میں ایسا دکھائی دیتے۔ کہ آپؐ کا چہرہ انور ایک آفتاب عالمتاب ہے حضورؐ جب ہنستے تھے۔ تو دیواروں پر عکس پڑتا تھا۔ یہ روایت ترمذی میں موجود ہے۔ ابن عساکر نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں اندھیرے میں بیٹھ کر سی رہی تھی۔ کہ میرے ہاتھ سے سوئی گم گئی۔ بہت تلاش کی مگر نہ پائی اچانک سرکار دوعالمؐ تشریف لائے تو آپ کے رُخ انور کی ضیاء سے تمام حجرہ روشن ہو گیا اور مجھے سوزن مل گئی حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے عائشہ! افسوس۔ افسوس۔ افسوس (۳) بار۔ اُس پر کہ جس نے مجھے نہیں دیکھا۔

حضورؐ کی چشمان مبارک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری و مسلم میں ایک روایت آتی ہے کہ سرکار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کیا تم دیکھتے ہو کہ میرا قبلہ تو اُدھر ہے جدھر میرا منہ ہوتا ہے۔ لیکن قسم خدا کی تمہارا رکوع و سجود مجھ پر چھپا نہیں رہتا اور میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔

جنگ موتہ میں جب مسلمان میدان کارزار میں شریک تھے تو حضورؐ ہر ایک کا علمِ اسلام اُٹھانا اور شہید ہونا مسجد مدینہ منورہ میں تشریف رکھے ہوئے ملاحظہ فرما رہے تھے اور آنسو جاری تھے چنانچہ ابو نعیم نے موسیٰ بن عقبہ سے اور اس نے ابن شہاب سے روایت کی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں جنگ موتہ سے جب یعلےٰ بن منبہ حاضر ہوئے تاکہ جنگ کے حالات من وعن عرض کئے جاویں۔ تو حضورؐ نے فرمایا پہلے مَیں تجھ کو بتاؤں یا تم مجھے بتاتے ہو۔ اس نے عرض کی آپؐ ہی بیان فرمائیں تو حضورؐ نے جو کچھ وہاں ہوا۔ جو جو کسی پر گذرا۔ جوں جوں شہدا نے شہادت پائی سب ارشاد فرما دیا۔ یعلےٰ تمام حالات کو قبل اپنے بیان کرنے کے آنحضرتؐ سے سن کر کہنے لگا قسم ہے اُس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ معبوث فرمایا ہے حضورؐ کے ارشاد میں اصل واقعات سے سرِ مُو کوئی فرق نہیں۔ معاملہ اسی طرح گذرا ہے جس طرح حضورؐ نے حرف بحرف بیان فرمایا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے اُس وقت میدان جنگ کو میرے سامنے کر دیا تھا اور مَیں دیکھ رہا تھا۔

آپؐ کے لب مبارک

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بوقت دفن جب حضور علیہ السلام کو لحد یعنے آرام گاہ میں رکھا گیا تو مَیں نے آخری دیدار کی غرض سے آپ کے چہرہ مبارک کی زیارت کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک متحرک ہیں۔ مَیں نے کان لگا کر سُنا تو شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ **اللھم اغفر لامتی** اے رب میری امت کو بخش دے۔ پھر مَیں نے یہ امر تمام حاضرین سے ذکر کیا۔

تاجدارِ دوعالم کا دہان مبارک

وائل بن حجر سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ڈول پانی پیش کیا گیا جس سے کچھ تو حضورؐ نے پی لیا اور پسماندہ ایک کنوئیں میں انڈیل دیا گیا جس سے کستوری کی طرح مہک آنے لگ گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مقام حدیبیہ میں معاہدہ حدیبیہ کے دن جب تشریف لے گئے تو گرمی کی شدت سے وہاں کا پانی خشک ہو گیا ہوا تھا جس سے تکلیف کا امکان تھا۔ کیونکہ حضورؐ کے ہمرکاب غلاموں کی ایک کثیر جماعت تھی یہ معلوم کر کے کہ پانی نہیں ہے حضورؐ نے اپنے ہمراہیوں سے پانی کا ایک جام منگایا۔ اور اپنے دہان مبارک میں مضمضہ کر کے یعنی کلّی فرما کر کوئیں میں ڈال دیا۔ آپ کے دہان مبارک کی برکت سے پانی جوش مار کر کوئیں کے کنارہ تک آگیا کہ لوگ اس کو ہاتھوں سے چلّو بھر کر پینے لگے۔

تاجدارِ کونینؐ کے دندان مبارک

جیسا کہ ہم نے اسی باب میں کسی دوسری جگہ بیان کیا ہے۔ یہاں بھی برمحل ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ کہ بیہقی نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ بے مثل بشر یعنی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بوقت فرحت خندہ فرمایا کرتے یعنی ہنستے۔ تو حضورؐ کے دندان مبارک کی دیواروں پر شعاع پڑتی تھی۔ اور نورانی عکس معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کبھی نہ ایسے دانت دیکھے اور نہ سُنے۔

نبی مکرّم کی زبان مبارک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ میرے پاس حضرت سلمان پارسی رضی اللہ عنہ

نے بیان فرمایا۔ کہ میرے مالک نے جس کا میں زرخرید غلام تھا میری درخواست پر مبلغ چالیس اوقیہ (سوا سیر) سونا لے کر مجھے آزاد کر دینے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اور مجھے یہ رقم کسی طرح بھی میسر نہ ہو سکتی تھی۔ تاہم حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کر دیا کہ میرے آقا میری قیمت طلب کرتے ہیں۔ حضور نے یہ سُن کر مرغی کے انڈے کے برابر سونا جو اس وقت حضور کے جائے نماز پر پڑا ہوا تھا، مجھے عطا فرمایا اور فرمایا کہ اسے مالک کو دے کر آزاد ہو جا۔ مجھے اس تھوڑے سے سونے کو پا کر تسلی نہ ہوئی اور عرض کیا کہ یہ مرغی کے انڈے کے برابر سونا چالیس اوقیہ کیسے ہو گا۔ تو خدا کے مختار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ سے واپس لے لیا اور اس کو زبان مبارک سے چاٹ دیا۔ اور فرمایا جا۔ چالیس اوقیہ ادا کر کے باقی واپس لے آ۔ تیرا قرض اُتر جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قرض دے کر بھی اسی قدر بچ رہا۔

اکثر احادیث اس امر میں وارد ہوئی ہیں۔ کہ سرکار انبیاء علیہ الصلوات والسلام تمام زمانہ کی زبانوں کے ایسے عالم تھے۔ کہ کسی اہل زبان سے بامحاورہ گفتگو فرمانے میں اہل زبان بھی دنگ رہ جاتے۔ ہر زبان میں ہر ملک کے آنے والے سے ایسی ہی فصاحت سے کلام فرماتے جیسے اپنی مادری زبان عربی میں۔ حالانکہ غیر زبان رکھنے والا خواہ کتنی ہی سعی کرے مادری زبان والوں کے مقابلہ میں صحت الفاظ۔ درستی کلام۔ ادائے کلمات میں برابر نہیں ہو سکتا۔ چونکہ آپ تمام کائنات کے اور تمام بنی آدم اسود و احمر کے نبی تھے۔ اور آپ کی نبوت قیامت تک کے لئے تمام جہان والوں کے واسطے تھی۔ اس لئے چاہیئے بھی یہ تھا۔ کہ آپ تمام جہان کی زبانوں بلکہ چرند و پرند حیوانات و نباتات و جمادات سب کی زبان و سب کے بیان سے واقف ہوتے۔ چنانچہ بہت سی حدیثوں میں غیر ممالک

کے افراد کے ساتھ ان کی زبانوں میں گفتگو فرمانے کا تذکرہ ہے۔

افضل المرسلینؐ کی ریش مبارک

سند المحدثین حضرت ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب مسمے بہ در الثمین فی مبشرات النبی الامین کی پندرھویں حدیث کے ضمن میں سید الخلائق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کا یوں ذکر فرماتے ہیں۔ کہ مجھے میرے والد بزرگوار حضرت شیخ محدث شاہ عبدالرحیم دہلوی قدس سرہ العزیز نے بیان کیا۔ کہ میں ایک وقت بیمار ہوا تو سرکار دوجہاں سرور کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی آپ نے میرا حال دریافت فرمایا اور صحت وتندرستی کی بشارت فرمائی اور مجھ سے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا۔ پھر بعد وضو فرمانے کے ریش مبارک میں کنگھی فرمائی اور کنگھی سے نکلے ہوئے دو بال مجھے عطا فرمائے۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو بالکل تندرست تھا اور وہ دونوں موئے مبارک میرے ہاتھ میں موجود تھے۔ چنانچہ ایک والد بزرگوار نے مجھے مرحمت فرمایا جو اب تک میرے پاس ہے۔

تاجدار مدنیؐ کی آواز مبارک

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے منبر پر تشریف رکھتے ہوئے فرمایا کہ سب کے سب بیٹھ جاؤ۔ یہ حضورؐ کی آواز حضرت عبداللہ بن رواحہ صحابیؓ نے قبیلہ بنی غنم میں سنی اور وہیں بیٹھ گئے (حالانکہ وہ بہت دور تھے اور عام انسانی آواز کا وہاں تک پہنچنا محالات سے تھا) حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

شخص کو فرمایا کہ تُو ایمان لا۔ وہ کہنے لگا۔ کہ آپ اگر میری مردہ لڑکی کو زندہ فرمادیں تو میں اسلام لے آؤنگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ چلو اپنی لڑکی کی قبر دکھاؤ۔ وہ شخص آپ کو اپنی لڑکی کی قبر پر لے گیا۔ حضور علیہ السلام نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر لڑکی کو آواز دی۔ اس لڑکی نے میں حاضر ہوں یارسولؐ اللہ کہہ کر جواب دیا۔ آپؐ نے اُس کو فرمایا کہ کیا تو تمنا کرتی ہے کہ تجھے دُنیا پر لوٹا دیا جائے۔ اس نے عرض کیا۔ کہ نہیں۔ کیونکہ میرے خدا کا کرم مجھ پر ماں باپ سے زیادہ ہے۔ اور دُنیا کے آرام سے آخرت بہتر۔ اسی طرح کی ایک روایت شفاء قاضی عیاض میں بھی آئی ہے جس میں ایک شخص کا اپنی لڑکی کے جنگل میں فوت ہو کر دفن کئے جانے کا حضورؐ کی خدمت میں عرض کرنا اور اس کی جدائی سے نالاں ہونا۔ اور حضورؐ کا اس کی قبر پر تشریف لے جانا پھر اس کو پکارنا اور اس کا زندہ ہو کر باہر آجانا اور ہمکلام ہونا لکھا ہے۔

سرکارِ مکیؐ کے کان مبارک

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک مرتبہ ہم بہت سے آدمی دربارِ رسالتؐ میں حاضر تھے کہ اچانک سرکارِ دوجہاںؐ نے سر مبارک اوپر اٹھا کر وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ فرمایا (گویا کسی کے سلام کا جواب دیا مگر کوئی سلام کہنے والا اور جواب سننے والا نظر نہ آیا)، ہم نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ جنابؐ نے کس کے سلام کا جواب دیا ہے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جعفر بن ابی طالبؓ فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ گذرے ہیں (حالانکہ یہ حضرت جعفرؓ شہید ہو چکے تھے) ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے جمعہ کے روز درود شریف پڑھنے کو ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ اس دن کوئی ایسا شخص نہیں جو مجھ پر درُود بھیجے اور مجھے اس کی یہ آواز نہ پہنچے صحابہؓ نے عرض کیا کہ بعد از وفات

بھی آپ سُنیں گے ۔ تو فرمایا ہاں ۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام زمین پر حرام فرما دیئے ہیں کہ کھائے ۔

سرکارِ عالی نسب کے بازو مبارک

مغازی میں ابن اسحٰق سے ایک طویل روایت جس کی اس مختصر میں مکمل اندراج کی گنجایش نہیں ۔ آئی ہے ۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص بنی ہاشم سے مسمی رکانہ بڑا تیغ زن اضم کے جنگل میں رہتا تھا ۔ اتفاقاً حضورؐ بھی ایک دن وہاں تشریف لے گئے تو رکانہ نے اپنی بہادری کے گھمنڈ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشتی لڑنے کی دعوت دی ۔ آپ نے قبول فرما کر پہلی ہی جھڑپ میں گرا دیا اس نے اس کو سوءِ اتفاق پر محمول کیا ۔ اور پھر آیا ۔ آپ نے پھر گرا دیا ۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ ذلیل ہوا اور اُٹھا ۔ آپ نے اسلام پیش کیا مگر نہ مانا ۔ کہ لوگ کہیں گے کشتی میں گر کر اسلام قبول کر گیا ہے بعض نے لکھا ہے کہ اسلام لے آیا تھا ۔

اس رکانہ کے علاوہ بہت سے پہلوانوں اور بہادروں سے حضورؐ کو ایسا موقعہ بنا اور آپ نے ان کو پچھاڑ دیا ۔ چنانچہ ابوالاسود جمحی کے مقابلے کا بھی قصہ آتا ہے حالانکہ یہ وہ شخص تھا ۔ کہ اگر بیل کے رنگے ہوئے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی اس چمڑے کو کنارے سے پکڑ کر اس کے پاؤں سے کھینچ لینا چاہتے تو چمڑا پھٹ جاتا ۔ لیکن اس کے پاؤں سے نہ نکال سکتے ۔ یہ شخص جب حضورؐ کے مقابلے میں آکر اسلام کی شرط پر کشتی لڑتا ہے ۔ تو گر جاتا ہے ۔ اور اسلام لانے کی شرط کو بھی توڑ دیتا ہے

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ۔ کہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقاب کی ایک تصویر پر جو ایک ڈھال پر کھینچی ہوئی تھی اپنا دست مبارک رکھا۔ اور جب اٹھایا تو وہ تصویر بالکل مٹ چکی ہوئی تھی۔ حضرت عکاشہ رضؓ بن محصن کہتے ہیں۔ کہ جنگ بدر میں میری تلوار ٹوٹ گئی تو حضور علیہ السلام نے مجھے ایک لکڑی اپنے دست مبارک سے زمین پر سے اٹھا دی۔ میں نے پکڑی تو وہ نہایت تیز اور چمکدار تلوار تھی۔ میں نے اسی سے کام لیا۔ اور وہ مدت العمر میرے پاس رہی۔

سیرت نبویہ میں مرقوم ہے۔ کہ جس دن مکّہ فتح ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ مکرّمہ کی چھت پر اذان کہنے کا حکم دیا پس ان کی اذان سننے سے بعض کافر تمسخر اڑانے لگے اور ان کی ناپسندیدہ لہجے میں نقلیں اُتارنے لگے ان ہجو کرنے والے لوگوں میں ایک شخص ابی محذورہ بھی تھا جس کی آواز بہت اچھی تھی آپ نے سُن کر فرمایا کہ ابو محذورہ کو حاضر کرو۔ جب وہ آیا تو اُسے خیال تھا کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے قریب فرما کر اس کی پیشانی اور سینہ پر دست حق پرست پھیرا۔ ابو محذورہ فرماتے ہیں۔ کہ مجرد آپ کا دست مبارک پھرنے کے میرا دل نور ایمان و یقین سے بھر گیا اور مجھے سچے دل سے سمجھنا پڑا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں پھر آپ نے ابو محذورہ کو اذان کے کلمات خود سکھائے اور حکم دیا کہ بلند آواز سے اذان کہنا کہ تمام اہل مکّہ سُنیں۔ ابو محذورہ کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی اور جب تک جیتا رہا۔ مکّہ میں اذان کہنے کی خدمت اسی کے سپرد رہی۔ پھر اس کے بعد اس کی اولاد وارثِ اذان حرم مکّہ ہوئی۔

کریم نبی کی انگشتان مبارک

حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ میں نے مہد میں ہی آپؐ کی نبوت کا ایک نشان دیکھا تھا جو میرے ایمان کا باعث ہوا اور وہ یہ تھا۔ کہ آپ جھولے میں پڑے ہوئے چاند سے ہمکلام ہو رہے تھے۔ اور چاند آپ کی انگلی کے اشارے پر حرکت کرتا تھا جدھر آپؐ کی انگلی کا اشارہ ہوتا چاند بھی اُدھر ہی ہو جاتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا میںؐ اس سے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ اور مہد میں مجھے رونے سے بہلاتا تھا۔ اور میںؐ اس کے عرش الٰہی کے نیچے سجدہ میں گرنے کی آواز سنتا تھا۔ اُمّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں۔ کہ آپ جب پیدائش کے وقت زمین پر پڑے تو آپ کی انگشت شہادت اس طرح کھڑی تھی جیسے کوئی تسبیح پڑھتا ہے باقی انگلیاں بند تھیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ مروی ہیں۔ کہ مقام حدیبیہ میں لوگوں کو پیاس نے سخت پریشان کیا۔ تو حضورؐ کے پاس شاکی ہوئے۔ آپ کے پاس چمڑے کے ایک چھوٹے سے برتن میں پانی رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس پانی سے وضو فرمایا اور لوگوں نے عرض کیا۔ کہ اس پانی کے سوا جس سے حضورؐ نے وضو فرمایا ہے۔ ہمارے پاس نہ پینے کو پانی ہے اور نہ وضو کرنے کو۔ شاید ایک دو گھونٹ اسی چمڑے کے برتن میں ہوں تو ہوں۔ یہ سنکر حضورؐ نے اپنا ہاتھ مبارک اس برتن میں ڈال دیا تو پانی آپ کی انگلیوں سے فواروں کی طرح جاری ہو گیا جس سے تمام لشکر معہ اونٹوں گھوڑوں۔ گدھوں کے سیراب ہو گیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ کہ تم اس وقت کتنے آدمی تھے۔ آپؓ نے فرمایا پندرہ سو (۱۵۰۰) تھے اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ کافی تھا۔

ایسے بیشمار واقعات حدیثوں میں آئے ہیں چنانچہ عکرمہ بن ابوجہل کے ایمان لانیکا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ ایکمرتبہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی پانی کے کنارے پر قیام فرما تھے کہ ابوجہل کا لڑکا عکرمہ بھی ادہر آنکلا اور آپکا اسم گرامی پکار کر کہنے لگا کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اس پتھر کو جو اسی پانی کے پرلے کنارے پڑا ہے بلائیں کہ وہ پانی پہ تیرتا ہوا ہماری جانب آئے چنانچہ حضور علیہ السلام نے اسکو انگشت مبارک کا اشارہ فرمایا اور وہ پانی پہ تیرتا ہوا چلا آیا اور فصیح زبان سے آپ کے رسول ہونے کی گواہی دی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کو فرمایا کہ یہ واقعہ تیری تسکین کو کافی ہے تو عکرمہ نے عرض کیا۔ ہاں کافی ہے اگر یہ اپنے مقام پہ واپس تیرتا ہوا لوٹ جائے۔

رسولِ رؤفؐ کی ہتھیلی مبارک

حاکم نے مستدرک میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ ایک وقت میری آنکھیں دکھتی تھیں تو سرکار انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرا سر اپنی گود مبارک میں لیکر اور اپنی کفِ دست کو لعاب دہن مبارک لگا کر میری دونوں آنکھوں پر ملدیا اسکے بعد اُسوقت سے تمام عمر میری آنکھیں نہیں دُکھیں۔

رحمۃ اللعالمینؐ کا سینہ مبارک

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایکمرتبہ ہم ایک سفر حج میں سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بطن روحا رجو ایک وادی کا نام ہے پہنچے تو حضورؐ نے ایک عورت کو دیکھا جو آپکو سواری روکنے کا اشارہ کر رہی تھی حضورؐ وہاں تھم گئے اور اپنی سواری کو روک لیا پھر وہ عورت آپکے قریب ہوئی اور اپنا ایک بچہ پیش کرکے عرض کرنے لگی کہ جس دن سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے کسی آسیب کے پنجہ میں گرفتار ہے اور یہ کبھی اپنی عمر میں ایک گھڑی کیلئے بھی صحتیاب نہیں ہوا حضورؐ نے اس سے وہ بچہ لیا اور اسکو اپنے سینہ مبارک سے لگا کر سواری پہ دوہرا لیا اور اپنا لعاب دہن مبارک اسکے منہ میں ڈالکر فرمایا او دشمن خدا اس سے دور ہو جا میں اللہ کا رسول ہوں پھر بچہ اس عورت کو لوٹا دیا اور فرمایا اسکو لیجا اب اسے کوئی ڈر نہیں

اسکی بیماری جاتی رہی ہے حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں جب ہم حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے اور بطن روحا میں آگئے تو وہ عورت بطور نذرانہ ایک بکری لیکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی جسکو میں نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ذبح کیا اور بھونا چنانچہ جب میں بھون رہا تھا تو سرکارؐ نے فرمایا۔ اسکا ایک کلہ بخیتا مجھے دے میں نے پیش کیا آپ نے اسکو تناول فرماکر فرمایا دوسرا بھی نکال میں نے وہ بھی پیش کیا تو کھا کر فرمایا اور بھی لاؤ میں نے عرض کیا یہی تھے جو میں نے دیدیئے۔ فرمایا مجھے خدا کی قسم ہے اگر تو نکالتا جاتا اور نفی نہ کرتا تو میری ہنڈیا سے وقت تک کلّے نکلتے رہتے جبتک میں طلب کرتا رہتا۔

سرورِ عالمؐ کا قلب مبارک ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات آپ وتروں سے پہلے استراحت فرماتے ہیں اور سوجاتے ہیں پھر بعض دفعہ بغیر وضو فرمائے کے وتر ادا کرنے شروع فرمادیتے ہیں یعنی ام حضرت ام المومنینؓ کا منشا یہ تھا کہ آپ کا وضو رہتا ہے یا نہیں، تو حضورؐ نے فرمایا اے عائشہؓ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے مجھے اپنے وضو کی حالت معلوم رہتی ہے ایک روایت میں ہے کہ ایکدن آپ نے نماز فجر میں سورۂ روم پڑھی تو آپکو تلاوت میں کچھ دشواری ہوئی جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہوجاتے ہیں اور وضو اچھی طرح نہیں کرتے پس جو شخص ہمارے ساتھ نماز پڑھنا چاہے چاہیئے کہ اچھا وضو کرے کیونکہ اس کا ناقص الوضوء ہونا ہمارے دل پر بوجھ ڈالتا ہے۔

محبوبِ خدا کا حکم مبارک صحیح مسلم میں ہے کہ آپ وصلی روزہ صوم وصال رکھا کرتے اور صحابہؓ کو منع فرماتے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ حضورؐ ہمیں صوم وصلی سے منع فرماتے ہیں اور خود روزہ ملاتے ہیں تو آپ نے فرمایا میں تمہاری مثل نہیں ہوں میں رات اپنے خدا کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا ہے اور وہی پلاتا ہے۔

حضرت اُمِ ہانی بنت ابی طالب فرماتی ہیں کہ میں آپ کے شکم مبارک کو اگر دیکھتی تو مجھے دوہرا کیا ہوا کاغذ خیال میں آجاتا اور حضورؐ فرماتے ہیں ہم پیغمبروں کا گروہ ہیں ہمارے پیٹ سے جو نکلے زمین کو اس کے نگل جانے یا ڈھانپ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

سیدِ ذیشانؐ کی پشت مبارک ابو نعیم کی ایک روایت میں آیا ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ اُن دنوں میں جبکہ میری والدہ مجھے مدینہ میں لے گئی تھیں اور میں وہیں تھا ایک یہودی ہر روز مجھے بڑی مشتبہ نگاہ سے دیکھا کرتا آخر نہ رہ سکا تو ایکدن مجھ سے کہنے لگا کہ تمہارا کیا نام ہے میں نے جواب دیا میرا نام احمدؐ ہے پھر اُس نے میری پیٹھ کو دیکھا اور یوں گویا ہوا کہ یہ اس امت کا نبی ہے پھر اس نے اپنے بھائیوں کے پاس جاکر یہ کیفیت ذکر کی اور انہوں نے میری والدہ کو یہ قصہ سنایا والدہ صاحبہ اس حال کو سنکر خوفزدہ ہو گئیں کہ یہودیوں کا حسد میرے بچے کو کہیں گزند نہ پہنچائے اور مجھے واپس مکہ میں لے آئیں مگر مقام ابوا میں پہنچ کر ان کا انتقال ہو گیا جبکہ آپؐ کی عمر بیس برس کے قریب تھی۔

آنحضرتؐ کی ناف مبارک حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو میرے انتقال کے بعد تم خود ہی مجھے غسل دینا کیونکہ جو شخص دوسرا میرے ستر کو دیکھیگا اندھا ہو جائیگا ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا میری فضیلت میں ایک یہ امر بھی داخل ہے کہ میں پیدائشی مختون پیدا ہوا ہوں اور کسی نے میری شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔

حضورؐ کے رانہائے زانو و ساقین مبارک بہت سی احادیث میں حضورؐ کے جسم اطہر اور رانوں پنڈلیوں کی برکت سے بعض سست رو اور کمزور جانوروں کا تیز رو اور چست ہونا آیا ہے جس کی وضاحت بخاری مسلم طبرانی وغیرہ کی احادیث بروایت عقبہ بن مالک عبداللہ بن ابی طلحہ اور ابوہریرہ سے ہوتی ہے۔

سرکارِ کائناتؐ کے پاؤں مبارک حضرت عثمان بن عفانؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بمعیت حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کوہ ثبیر پر کھڑے

تھے اور میں بھی حاضر خدمت تھا کہ اچانک پہاڑ کو لرزہ ہوا (جیسے زلزلہ آتا ہے) کہ اسکی چوٹی کے پتھر گرنے لگے حضور علیہ السلام نے یہ دیکھکر اپنا پاؤں مبارک زور سے پہاڑ پر مارا اور فرمایا کہ اے ثبیر ٹھیر جا تجھ پر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایکمرتبہ علے رضی اللہ عنہ بیمار تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ تشریف لائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بیمار دیکھکر فرمایا۔ اے اللہ اسے شفا دے اور ساتھ ہی اپنا پاؤں مبارک حضرت علیؓ کو مارا انکو اسی وقت صحت ہو گئی۔ اور زاں بعد کبھی بیمار نہ ہوئے

حضرت امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آپکو کبھی اتفاق سے پتھروں پر چلنے کا موقعہ ملجاتا تو پتھر آپکے پاؤں کے نیچے ایسے نرم ہو جاتے کہ آپکے پاؤں مبارک کے ان پر نشان لگجاتے۔

ایسی بیشمار اور احادیث بھی موجود ہیں جن میں حضورؐ کے جسم مطہر، قد مبارک خون و عرق معطر۔ لعاب دہن مبارک وغیرہ کے بے مثل فی الصفات ہونے کا تذکرہ ہے جو بخوف طوالت کتاب یہاں درج نہیں ہو سکا۔

کیا اپنے جیسا کہنے والے نام نہاد موحد سرکار دو عالمؐ کے ہر عضو کی ان برکات کو جو احادیث سے اس مختصر بیان میں لکھی گئی ہیں کسی دوسرے وجود میں ثابت کر سکتے ہیں جن کی بنا پر وہ اپنے جیسا کہنے کے مدعی ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں اور حلفاً نہیں تو پھر خوف خدا کریں اور نبی اکرمؐ کی توہین سے باز رہیں جس سے ایمان نہیں رہتا۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ اللھم متعنا بجمال محمد بالنبی وجہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حالاً و مالاً ۔